نبیلہ ابر

طنابیں گلاب خوابوں کی

کمرے میں قیامت خیز خاموشی طاری تھی ایک سوئی بھی گرتی تو آواز سنائی دیتی۔ قیمتی ایرانی قالین کو جوتے کی نوک سے کریدتا وڈیرا اچھل نواز اپنے تئیں خود کو پرسکون رکھنے کی کوششیں کر رہا تھا جبکہ داور کا چہرا پرسکون اور مطمئن تھا اسے اب کامیابی کی سوفی صد امید ہو چلی تھی۔

"پر میری بیٹی کا کیا ہو گا۔" وڈیرے کے چہرے پر دنیا جہان کی اذیت ابھر آئی تھی پیشانی کی نسیں پھول گئی تھیں داور نے اسے دیکھا۔

"اللہ مالک ہے کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔" اس نے تسلی دی۔

"میری بیٹی میری اکلوتی اولاد ہے دو بھائی خاندانی دشمنی کے قتل در قتل سلسلے میں مارے جا چکے ہیں باقی رشتہ داروں کا بھی یہی حال ہوا اور جو بچے ہیں وہ میری دولت پر نظر لگائے بیٹھے ہیں ایسی حالت میں تو وہ میری بیٹی کو ختم کرنے سے گریز نہیں کریں گے میں اسے محفوظ ہاتھوں میں دینے کے بعد یہ قدم اٹھاؤں گا۔" وڈیرا اچھل نواز کمان کی طرح تن گیا۔

"آپ مجھ پر اعتبار کریں آپ کی صاحبزادی کو کوئی تکلیف نہیں ہو گی آپ جہاں چاہیں گے میں انہیں چھوڑ آؤں گا یا جیسا آپ چاہیں گے ویسا کروں گا آپ فی الفور خود کو پولیس کے حوالے کر دیں کیونکہ اب مزید دیر مناسب نہیں ہے۔"

اچھل نواز کچھ دیر داور کے وجیہ و شکیل چہرے کو دیکھتا رہا اس کی آنکھوں میں چمک سی آ گئی تھی۔

"بابا میری ایک شرط ہے اگر مانو تو ٹھیک ہے ورنہ سی آئی اے اور اسکاٹ لینڈ یارڈ والے بھی میری گرد نہیں پا سکتے۔"

"آپ اپنی شرط بتائیں۔" داور بار بار کلائی پر
بندھی رسٹ واچ بھی دیکھ رہا تھا اس کا خیال تھا کہ
وڈیرا جان کر اسے پریشان کر رہا ہے شاید پولیس والوں
کی قوت برداشت آزمانا چاہتا ہے۔
"میری بیٹی سے شادی کر لو۔" سچل نواز نے اسے
حیرانیوں کی بغار میں پھینک دیا۔
"مگر۔" وہ اچانک لگنے والے جھٹکے سے سنبھل
نہیں پایا تھا وڈیرے نے یہ کیسی کڑی شرط لگا دی تھی
کیا گھر والے ایک قاتل دہشت گرد اور غدار کی بیٹی
سے داور کی شادی قبول کر لیں گے؟ وہ خود بھی یقیناً"
ایسا نہیں چاہے گا نہ اس کے رشتہ دار یہ بات پسند
کریں گے پھر کیا ہوگا سچل نواز ہمیشہ کی طرح جیت
جائے گا اور جو اس نے کئی ماہ سے اپنی نیندیں حرام کی
ہوئی ہیں اپنا سکھ چین تباہ کیا ہوا ہے وہ سب بیکار
جائے گا اور اس کے کیریئر کا اتنا بڑا کیس یونہی فائلوں
میں سڑتا رہے گا کتنی دیر وہ ہر پہلو پر غور کرتا رہا اور
فیصلہ کر کے وہ ایک نتیجے پر پہنچا تو خود کو کسی حد
تک کمپوز کر چکا تھا۔
"ٹھیک ہے مجھے آپ کی یہ شرط منظور ہے۔" وہ
[illegible] لہجے میں بولا۔
"تم بیٹھو میں ابھی آتا ہوں۔" وڈیرا اندر غائب ہو
گیا۔ داور پرسوچ انداز میں اپنی پیشانی مسل رہا تھا
(ایک دفعہ خود کو میرے حوالے کر دے یہ سچل نواز پھر
میں اس کی بیٹی سے اچھی طرح شادی کروں گا) وہ زہر
خند ہو رہا تھا اتنے میں سچل نواز واپس آ گیا اس کے
ہاتھ میں اسٹامپ پیپر تھا۔
"لو اسے پڑھ لو میں پکا کام کرنا چاہتا ہوں۔"
وڈیرے نے اسٹامپ پیپر اس کی طرف بڑھایا تو داور
نے تذبذب کے عالم میں پکڑا۔
"میں داور زئی ولد رحمان زئی سچل نواز کی بیٹی پروا
نواز سے اس شرط پر نکاح کے لیے تیار ہوا ہوں کہ اگر
سچل نواز خود کو قانون کے حوالے کر دے چونکہ کل
سچل نواز ہتھیار ڈال رہا ہے اسی لیے میں اس کی بیٹی
سے نکاح کروں گا میں خدا کو حاضر ناظر جان کر کہہ رہا
ہوں کہ آخر دم تک اس رشتے اور عہد کو نبھاؤں گا۔"
"بہت خبیث ہے تو وڈیرا سچل نواز۔" اس نے اندر
ہی اندر دانت پیسے۔
"میں نے تمہارے چہرے پر شرافت کی چمک
دیکھی ہے تمہارا سابقہ ریکارڈ اور بائیو ڈیٹا میرے
سامنے ہے میں تمہارے خاندان کے ایک ایک فرد
سے واقف ہوں اس لیے مجھے یقین ہے کہ میں اپنی بیٹی
کو محفوظ ہاتھوں میں دے رہا ہوں۔"

"دوسرے جس کے ہاتھوں غیر محفوظ ہوں وہ تمہارے طرح خود غرض ہی ہوتا ہے۔" داور نے دل میں کہا۔

"تم سائن کردو میں کل اپنی بیٹی کو بلوا رہا ہوں سب انتظام ہو جائے گا۔" وڈیرا اب کچھ مطمئن سا تھا۔

داور حویلی سے لوٹا تو بہت پریشان تھا پچل نواز نے کس چالاکی سے اسے گھیرا تھا کہ ڈیڈی لاہور میں تھے اگر انہیں علم ہو جاتا کہ کل وہ ایک خطرناک مجرم کی بیٹی سے نکاح کر رہا ہے تو جانے ان کا کیا حال ہوتا سوچ سوچ کر اس کا دماغ پھٹا جا رہا تھا پر اب پیچھے ہٹنا بھی تو ممکن نہیں تھا کئی ماہ کی مسلسل محنت کے بعد وڈیرا سرنگوں ہوا تھا اپنے جرائم کو تسلیم کیا تھا تو وہ کیسے شکست تسلیم کر لیتا۔

دوسرے دن وہ بڑی بے دلی سے تیار ہو کر حویلی پہنچا اس نے اپنے ماتحتوں کو اس بات کی ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی کیونکہ دل میں وہ کچھ اور سوچے بیٹھا تھا۔

"وڈیرا سائیں فی الحال میں نے اپنے گھر والوں کو نہیں بتایا ہے حالات ذرا معمول پر آجائیں تو میں بتاؤں گا کیونکہ وقت کا یہی تقاضا ہے۔" اس نے آہستگی سے کہا وڈیرا بہت خوش لگ رہا تھا اس کی بات کو اہمیت نہیں دی۔

"ٹھیک ہے بابا جیسی تمہاری مرضی۔" وہ بے نیازی سے بولا تو داور کا خون کھول کر رہ گیا۔ سب اختیارات رکھتے ہوئے بھی وہ اس وقت کتنا بے اختیار تھا بے بس تھا وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ وڈیرا پچل نواز کے پرانے جانثاروں اور نمک خواروں کی موجودگی میں نکاح ہوا۔

"میری بیٹی اب تمہاری حفاظت میں ہے میں چاہتا ہوں کہ کیس کا فیصلہ ہونے تک اسے میری اصلیت کا علم نہ ہو تم جب تک اپنے گھر والوں کو راضی کرو مجھے گارنٹی ہے موت کی سزا کے علاوہ مجھے کم سزا نہیں ملے گی پر میرے جرائم کی سزا میری بیٹی کو نہ دینا میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں۔" وڈیرے کے ہاتھ اس کے آگے بندھے ہوئے تھے داور کو عجیب سا

"ٹھیک ہے ایسا کچھ نہیں ہوگا۔" اس نے اس سے زیادہ خود کو تسلی دی۔

"مجھے پتا تھا تم ایسا نہیں کرو گے۔ بہرحال میری بیٹی کا خیال رکھنا حویلی چکر لگاتے رہنا اور جب اپنے گھر والوں کو راضی کر لو تو حیات کو بتا دینا میں تو بیٹی کی شادی میں شامل نہیں ہو سکوں گا۔" پچل کے چہرے پر اندر کا دکھ ابھر آیا تھا۔ داور بعد میں فوراً چلا آیا اس کا کام ختم ہو چکا تھا۔ سکھر میں پوسٹنگ کے دوران یہ اس کا آخری کیس تھا کل پچل نے ہتھیار ڈال دیئے تھے اس نے اس تمام کارروائی کو خفیہ رکھنے کی کڑی شرط لگائی تھی۔

پچل نواز نے کئی قتل کیے تھے وڈیرے کے روپ میں وہ ایک نرم خو مہربان مالک تھا مگر درپردہ وہ ایک غیر ملکی تنظیم کے لیے کام کرتا تھا وڈیرے کے ہاتھوں چند اہم حکومتی اراکین کا قتل ہو گیا تھا جن میں غیر ملکی نمائندے بھی شامل تھے یہ سب تنظیم کے ایما پر ہوا تھا تب سے پچل نواز حکومت کی نگاہ میں آگیا تھا جب سے غیر ملکی نمائندوں کا قتل ہوا تھا حکومت اور قانون کا دباؤ پچل نواز پر بڑھ گیا تھا وہ سی آئی اے کو بھی مطلوب تھا اس سے پہلے وہ خفیہ اداروں کی نظر میں نہیں آیا تھا کیونکہ اس کی پشت پر ایک مضبوط مافیا کا ہاتھ تھا کسی کو اس پر ہاتھ ڈالنے کی جرات نہیں ہوئی تھی نہ اس کے کارنامے اور جرائم عام ہوئے تھے صحافیوں کے ہاتھ بھی اس معاملے میں بندھے ہوئے تھے یہاں تک کہ جب اس نے خود کو قانون کے حوالے کیا تو اس موقعہ پر ایک صحافی بھی موجود نہیں تھا۔

داور مجرموں کی نفسیاتی کمزوریوں سے خوب واقف تھا اس نے انتہائی ذہانت سے پچل نواز کے گرد جال بنا تھا اور وہ داور کے جال میں پھنس کر خود کو قانون کے حوالے کرنے پر تیار ہو گیا یہ الگ بات تھی کہ جاتے جاتے وہ داور کے جال میں داور کو ہی پھنسا گیا تھا۔ داور اسپیشل پولیس ڈیپارٹمنٹ میں تھا انتہائی قابل اور جینئس آفیسر مگر پچل کے معاملے میں اس کی ذہانت خاص کام نہیں آئی تھی وہ مزے سے اپنا بوجھ اس کے

URDU RIGHTO

کندھوں پر پھینک گیا تھا داور نے تو اس بوجھ کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی اور نہ اسے شوق تھا۔

ڈی سی سکھر نے اس تمام کیس میں حصہ لینے والے اہم افسران کے اعزاز میں ڈنر دیا تھا جن میں داور بھی شامل تھا بذات خود اس نے داور کی تعریف کی تمام افسران نے کھلے دل سے اس سارے کیس کا کریڈٹ داور کے کھاتے میں ڈالا تھا وہ بجا طور پر اس کا مستحق تھا۔ گرفتار ہونے سے پہلے وڈیرے نے اس سے کہا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کو زیادہ دیر رشتہ داروں کے آسرے پر نہیں چھوڑ سکتا اس لیے وہ جلد از جلد گھر والوں کو راضی کر کے اپنی امانت کو لے جائے لفظ امانت پر داور اندر تک کڑوا ہو گیا تھا ایک خطرناک کرمنل کی بیٹی اس کی امانت ہو گئی تھی قسمت کی کیا ستم ظریفی تھی۔

......*

"حیات بابا سائیں کب آئیں گے۔" پروا پریشان ہو گئی تھی ہوسٹل سے آئے اسے ایک ہفتہ ہو چلا تھا حیات نے بتایا تھا کہ وہ ضروری کام سے اسلام آباد گئے ہوئے ہیں جب انہوں نے علی ڈنو کو اس کے ہوسٹل روانہ کر کے فوراً چلے آنے کے لیے کہا تو وہ اسی وقت ٹھٹک گئی تھی پتہ نہیں کیا بات تھی بابا سائیں نے پہلے تو اسے کبھی اس طرح نہیں بلوایا تھا ان کا انداز بھی اسرار بھرا تھا۔

اور جیسے ہی اسے حویلی آئے کچھ دیر ہوئی یہ اسرار بھی ختم ہو گیا انہوں نے کہا کہ آج شام تمہارا نکاح ہے پروا کو شدید دکھ اور حیرت ہوئی بابا سائیں کا لہجہ اتنا پتھریلا اور بے لچک تھا کہ اسے دوسری بات کرنے کی ہمت ہی نہیں ہوئی ان کے سامنے تو پروا کی بولتی ویسے بھی بند ہو جاتی تھی ان کا چہرہ ہی اتنا رعب دار اور کھردرا تھا مخاطب نظر ہی نہیں اٹھا سکتا تھا وہ اس کی ہر ضرورت [illegible] پوری کر دیتے تھے پروا کو حسرت ہی رہی کہ وہ ان سے آنکھ اٹھا کر بات کر سکے ضد کر سکے۔

"میری عمر نکلی جا رہی ہے سترہ کے بجائے ستر سال کی ہو رہی ہوں ناں جو بابا سائیں مجھے بوجھ تصور کر رہے ہیں [illegible] کی [illegible] تھی پھر حویلی میں کوئی مہمان بھی نہیں تھا نہ رشتہ دار تھا سب کچھ انتہائی رازداری سے ہو رہا تھا بس ملازم ہی ملازم تھے وہ کس سے پوچھتی۔

رات وہ بہت روئی چچل نواز بہت صبر سے کام لے رہا تھا اس کی پیاری بیٹی یوں بلک بلک کر رو رہی تھی اس کا دل جیسے کٹتا جا رہا تھا۔

"میں نے تمہارے لیے اچھے شخص کا انتخاب کیا ہے قدر کرنا۔" وہ دھیرے دھیرے کہہ رہے تھے۔

پروا نے اس "اچھے شخص" کی شکل تک نہیں دیکھی تھی ہاں نوکرانیاں کہہ رہی تھیں کہ بڑا رعب داب والا بندہ ہے پر اس نے خاص دلچسپی نہیں لی بلکہ وہ اچھی خاصی بیزاری محسوس کر رہی تھی اس کی ساری سہیلیاں ہر بوجھ اور فکر سے آزاد ایسے کسی بھی بندھن سے بے نیاز تھیں ہاں ان کے گروپ میں صرف ضوفشاں تھی جس کی حال ہی میں منگنی ہوئی تھی سب اسے کتنا چھیڑتی تھیں وہ روہانسی ہو جاتی تھی ہاں ان باقی تینوں نے عہد کیا تھا کہ جب تک وہ اپنے نصب العین کو پا نہیں لیتیں شادی نہیں کریں گی ان تینوں کے مقاصد بہت بلند تھے۔

ارم اپنے پپا کی طرح ڈی سی بننا چاہتی تھی حمیرا سیاست میں نام کمانا چاہتی تھی پروا جرنلزم کے میدان میں جھنڈے گاڑنا چاہتی تھی۔ بیچاری ضوفشاں ڈاکٹر بننا چاہتی تھی پر منگنی کے بعد انہوں نے اسے اتنا زچ کیا کہ وہ اپنے نصب العین سے ہی پھر گئی اب اس کے پاس اپنے منگیتر ہمایوں کے قصے ہوتے۔

پروا کو بھی یوں لگا جیسے وہ اپنے مقاصد سے بہت پیچھے رہ جائے گی کیونکہ بابا سائیں نے اسے یہ کہہ کر سمجھا دیا تھا کہ وہ بہت جلد اس کی شادی کر دیں گے اس کے گروپ کو جب یہ بات معلوم ہو گی تو وہ سب کتنا ہنسیں گی اس کا مذاق اڑائیں گی شاید اسے گروپ سے خارج ہی کر دیا جائے کیونکہ ضوفشاں کی منگنی کے بعد تینوں اس سے ناراض ہو گئی تھیں مکمل بائیکاٹ کر دیا تھا وہ تو ہمایوں نے خود ہی ضوفشاں کے آنسوؤں سے ہار کر اس کی گلو خلاصی کرائی تب کہیں اسے جا کر دوبارہ گروپ میں داخلے کی اجازت ملی وہ بھی ہمایوں کے

کہنے پر۔

پروا کو نہ تو بابا سائیں کے منتخب کردہ اچھے شخص سے دلچسپی تھی نہ اس کے گھر والوں سے بلکہ وہ تو سوچ سوچ کر پریشان تھی کہ وہ ارم ضوفشاں اور حمیرا سے اس خبر کو کیسے چھپائے گی جو انہوں نے واپس جانے پر اچانک ہوسٹل سے روانگی کا پوچھا تو وہ کیا کہہ کر انہیں مطمئن کرے گی اگلے ماہ ہی تو سیکنڈ ایئر کے فائنل ایگزیم شروع تھے ان کا سامنا تو کرنا ہی تھا وہ اچھا سا بہانہ سوچ رہی تھی جو سنا کر سب کو مطمئن کر سکے اسے تعلیم ادھوری رہ جانے کا' دوستوں سے بچھڑ جانے کا خوف لاحق ہو گیا تھا اسے ان دیکھے شخص سے نفرت محسوس ہو رہی تھی۔

بھاگ بھری نے رات اس کے بالوں میں مالش کرتے ہوئے بتایا تھا کہ "وہ بڑا سوہنا ہے اونچا لمبا قد ہے۔" اس نے ڈانٹ کر اسے خاموش کرا دیا تھا۔

بابا سائیں کو اسلام آباد گئے کافی دن ہو گئے تھے پر نہ ان کا فون آیا نہ اطلاع ہاں حیات نے بتایا تھا کہ وہ اسلام آباد سے امریکہ چلے گئے ہیں تب پروا نے سکون کا سانس لیا اب وہ آرام سے امتحان تو دے سکتی تھی۔

اس کے امتحان بھی ہو گئے پر بابا سائیں نہیں لوٹے اب وہ سچ مچ پریشان ہو گئی جب بھی امتحان دے کر وہ حویلی آئی بابا سائیں حتی الامکان گھر میں ہی رہتے کہیں جانا ہوتا تو بھی بتا کر جاتے یہ پہلا موقعہ تھا جب وہ اسے بتائے بغیر چلے گئے تھے اس نے ارم کو فون کر دیا وہ بے چاری اس کی پریشان آواز سن کر بھاگی بھاگی آئی ساتھ اس کی ممی صالحہ بھی تھیں ارم سے اس کی دوستی پرانی تھی تقریباً" پانچ سال پرانی۔ ارم کئی بار حویلی آئی تھی جب وہ لاہور سے سفر کر کے سکھر پروا کی خاطر آئی تو اس کا مان بڑھ جاتا وہ خود ہوسٹل سے ان کے گھر چلی جاتی ایک دو رات رک بھی جاتی بابا سائیں نے کبھی برا نہیں منایا ارم اور صالحہ اس کی شاندار حویلی سے بہت مرعوب تھیں ان کی صرف ایک بار ہی بچل نواز سے ملاقات ہوئی تھی ارم نے انہیں "اینگری مین" کا خطاب دیا تھا۔

آنٹی نے ان کی تنہائی اور پریشانی دیکھتے ہوئے اپنے ساتھ لاہور چلنے کے لیے کہا وہ نیم راضی تھی ارم تو کھل اٹھی تھی پروا نے ڈیرے پر حیات کو فون کر کے کہا۔

"میں انکل ساجد کے ہاں ہوں اگر بابا سائیں کا فون آئے تو انہیں بتا دینا اور ان سے کہنا کہ مجھ سے رابطہ کریں اور ہاں حویلی کا بھی خیال رکھنا۔" وہ حیات کو ہدایات دے رہی تھی اس نے فون بند کرنے سے پہلے محسوس کیا کہ حیات اس کی لاہور روانگی کا سن کر خوش ہو گیا ہے تھوڑی دیر بعد یہ بات اس کے ذہن سے اتر گئی۔

بچل نواز نے بطور خاص لاہور کے اس کالج میں دشمنوں کے خوف اور تحفظ کی وجہ سے اسے داخل کروایا تھا ان کے خیال میں پروا سکھر سے زیادہ لاہور میں محفوظ رہتی بہرحال یہ ان کا خیال تھا وہ تو اسے بیرون ملک بھیجنا چاہتے تھے پروا نے یہ سنتے ہی رو رو کر حالت خراب کر لی تھی شروع سے ہی وہ بورڈنگ ہاؤسز اور ہوسٹلز میں رہی تھی بابا سائیں سے برسوں کی دوری اسے گوارا نہیں تھی اس کے آنسوؤں سے بچل نواز کا ارادہ بدل گیا تھا وہ یہیں پاکستان میں اسے رکھنے پر آمادہ ہو گئے تھے مری سے وہ اب لاہور آ گئی تھی۔

"پری اگر بابا سائیں جلد نہ لوٹے تو تم ساری چھٹیاں ہمارے پاس ہی گزارنا۔" ارم نے اسے کہا اور وہ مان گئی۔

وہ کافی عرصے کے بعد ارم کے گھر رہنے کے لیے آئی تھی ساجد انکل نے ملازم رکھ لیا تھا جو پروا کو خاصا بدتمیز لگا پہلے دن ہی اس نے ناپسندیدگی کا اظہار کر دیا چونکہ وہ سب گھر والوں سے بے تکلف تھی اسی لیے آرام سے رائے دے دی تھی۔

ارم کے دو بھائی حسان اور ہارون اور ایک بہن اقرا تھی۔ حسان سب سے بڑے تھے اور ڈی سی تھے ان سے چھوٹی اقرا تھی جو یونیورسٹی اسٹوڈنٹ تھی اس کے بعد ہارون تھا جو میڈیکل کے پہلے سال میں تھا سب سے چھوٹی ارم تھی جو انٹر کا امتحان دے کر فارغ تھی۔ حسان بھائی اس سے بالکل ارم کی طرح پیش

...انکل ساجد اور صالحہ آنٹی بھی سگے ماں باپ کی ... چاہتے اسے۔ ہارون سے کھٹ پٹ چلتی رہتی ... آپی کا رویہ بڑی بہنوں جیسا تھا اور رہی ارم تو وہ اس ... عزیز از جان دوست تھی۔ پروا کو وہ سب فیملی ممبرز ... طرح ٹریٹ کرتے۔

ساجد انکل سمیت سب ہی اسے اچھے لگتے تھے بر ... یہ نیا ملازم فاروق، جو انہوں نے شاید کچھ ہفتے پہلے ... رکھا تھا اسے ایک آنکھ نہیں بھایا تھا خاصی بدلحاظی ... بدتمیزی سے بات کرتا تھا پروا کا رئیسانہ مزاج اس ... کی غلطیاں برداشت نہیں کر سکتا تھا وہ ایک کی ... سنا دیتی اس کا بس چلتا تو اس ٹیڑھے شخص کو ... رخصت کر دیتی۔

——*

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا جب اس کی آنکھ کھلی۔ اے سی فل کولنگ کے ساتھ چل رہا تھا پروا کی ... ارم بیڈ پر پڑی وہ مزے سے سو رہی تھی کوئی نامانوس سا ... احساس تھا ہلکا سا شور تھا جس کے باعث اس کی آنکھ کھلی اس نے اے سی کا بٹن بند کیا تو یوں لگا جیسے باہر ... کوئی دھیرے دھیرے چل رہا ہے قدموں کی ہلکی ہلکی ... آہٹ اے سی بند ہونے کے باعث شب کے اس ... گہرے سکوت میں صاف محسوس کی جا سکتی تھی۔

پروا نے پاؤں بستر سے نیچے لٹکائے اور نظریں ... جوتوں کی تلاش میں بیڈ سے نیچے دوڑائیں بکھرے بال ... سمیٹتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی دھیرے سے دروازہ کھول کر ... اس نے پہلا قدم باہر رکھا کوریڈور کی لائیٹ جل رہی ... تھی لیکن کوئی نظر نہیں آ رہا تھا وہ صحن میں آ گئی تب ... اس نے دیکھا فاروق محتاط انداز میں بار بار ساتھ والے ... گھر کا جائزہ لیتا ادھر ادھر چکر کاٹ رہا ہے سامنے کرسی ... بھی دھری ہوئی تھی اوپر جانے والا سیڑھیوں کا بیرونی دروازہ بھی کھلا ہوا تھا اس کی آنکھوں کی سرخی بتا رہی ... تھی کہ وہ کافی دیر سے جاگ رہا ہے پروا کے ذہن میں ... خطرے کا الارم بجا یقیناً ... کوئی گڑبڑ ضرور تھی۔

"یہ تم آدھی رات کو ... کی طرح کیا کر رہے ہو۔" وہ دبے قدموں اس کے ... جا پہنچی فاروق ... پوچھا ...

"آپ آدھی رات کو کیا کر رہی ہیں۔" الٹا اس نے سوال جھاڑ دیا۔

"تم مجھ سے یہ پوچھنے والے کون ہوتے ہو کہ میں آدھی رات کو کیا کر رہی ہوں اپنے کام سے کام رکھا کرو میرے منہ نہ لگا کرو۔" پروا کے چہرے کے زاویے بگڑ گئے۔

"اپنے کام سے کام رکھتا ہوں اپنی اوقات بھی پہچانتا ہوں یہ تو سراسر الزام ہے آپ کے منہ کون لگ رہا ہے؟" وہ ذو معنی انداز میں بولا پروا نے اس کے الفاظ پر غور نہیں کیا اور دوبارہ اپنے سوال کو دہرایا۔

"دیکھیں برائے مہربانی مجھے اپنے کام کرنے دیں جائیں تشریف لے جائیں۔" وہ سخت بدمزا ہو رہا تھا۔

"کیوں جاؤں تم مجھے حکم دینے والے کون ہوتے ہو دو ٹکے کے معمولی سے ملازم۔" وہ ڈپٹ کر بولی۔

"دیکھیں محترمہ مجھے اپنا کام کرنے دیں۔" فاروق نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے تو وہ اسے گھورنے لگی۔

"یہ نظروں کے تیر بعد میں چلایئے گا فی الحال میرا گھائل ہونے کا ارادہ نہیں ہے۔" وہ دبی مگر شریر آواز میں بولا۔

پروا کے تو تلووں سے لگی اور سر پر بجھی۔

"شٹ اپ تم بیہودہ آدمی اپنی حد میں رہو۔"

"میں تو حد میں ہی رہنے کا قائل ہوں پر آپ میری کوششوں کو ناکام بنا دیتی ہیں۔" وہ مزے سے بولا تو وہ پیر پٹختی تیز تیز چلتی کمرے میں آ گئی۔

"یہ بہت ضروری تھا۔" فاروق اس کے جانے کے بعد آہستہ سے بولا۔

"توبہ یہ تو انتہائی خبیث آدمی ہے مجھے اس کی شکایت کرنی پڑے گی وہ چار چوٹ کی مار پڑواؤں گی کہ سیدھا تیر ہو جائے گا کمینہ ہیرو بننے کی کوشش کر رہا تھا ان سب کو تو دیکھو اسے کتنا سر چڑھایا ہوا ہے سارے جہاں کا درد تو انکل ساجد کی فیملی میں ہے" تو اب ملازم بھی مالکوں کی برابری کرنے لگے ہیں ان کے منہ آنے لگے ہیں اللہ بچائے آثار قیامت ہیں اگر ایسا نوکر حویلی میں ہوتا تو میں اب تک اسے شوٹ کر چکی ہوتی۔" وہ

URDU-...

کروٹ بدل کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔

۔۔*

ارم اور پروا دونوں لان میں کرکٹ کھیل رہی تھیں پروا باؤلنگ کروا رہی تھی جبکہ ارم کریز پر جمی کھڑی تھی پروا عاجز آئی ہوئی تھی اب ارم صاحبہ نے جو گیند کو ہٹ لگائی تو وہ اڑتی ہوئی ساتھ والے بنگلے میں چلی گئی

"چھکا ہے چھکا" وہ چہکی تو پروا اسے ناپسندیدگی سے دیکھنے لگی۔

"اب بال اٹھا کر کون لائے گا۔" اسے اپنی باری پریشان کر رہی تھی۔

"حسان بھائی نے ادھر جانے سے منع کیا ہے بال پر فاتحہ پڑھ لو۔" ارم نے اسے چڑایا تو وہ ناراض ہو گئی۔

"ارم ڈیئر فاتحہ کیوں پڑھ لوں ابھی دیکھنا کیسے آتی ہے بال۔" اس نے چٹکی بجائی اس کی بڑی بڑی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

"خود جاؤں گی۔"

"فار گاڈ سیک مت جانا حسان بھائی ٹانگیں توڑ دیں گے۔" ارم نے اسے روکا تو وہ مسکرانے لگی۔

"میں خود کیوں جاؤں گی اس عمر میں مجھے لنگڑی ہونے کا شوق نہیں ہے تم دیکھو تو۔۔۔" وہ اندر بڑھ گئی فاروق کے کمرے کی طرف۔ ارم کے گھر آکر وہ بہت انجوائے کرتی تھی۔ حویلی میں کوئی اس کا ہم عمر نہیں تھا۔ نوکروں سے میل جول بابا سائیں کو پسند نہیں تھا۔ شروع میں ہی وہ بورڈنگز اور ہوسٹلز میں رہی تھی۔ چھٹیوں میں گھر دیکھنا نصیب ہوتا تھا' ایسا گھر جو ماں' بہن اور بھائی کے وجود سے خالی تھا اس کا جی چاہتا اردگرد بہت سارے لوگ ہوں' وہ زور زور سے ہنسے' بولے جھگڑے' اس کی یہ خواہش حسرت ہی رہی۔ وہ بابا سائیں کی اکلوتی اولاد تھی' بابا سائیں اسے رشتہ داروں سے بھی نہیں ملنے دیتے تھے' بقول ان کے کہ سب دشمن ہیں بقول مسوس کر رہ جاتی ہوسٹل سے ویک اینڈ پر جب بھی ارم کے گھر آتی تو بہت خوش ہوتی۔

پروا نے دروازہ دھکیلا اور کھلا یقیناً" اندر سے لاک تھا۔ اس نے زور زور سے دستک دی تو فاروق نمودار ہوا اس کے چہرے سے واضح جھلک رہا تھا کہ اس وقت اسے یہ دستک بہت ناگوار گزری ہے۔

"فرمایئے اب کیا آفت آگئی ہے۔" وہ تیزی سے ڈانٹنے والے اسٹائل میں بولا۔ پروا نوٹ کر رہی تھی کہ وہ دروازہ پر پھیل کر کھڑا ہے جیسے یہ چاہتا ہو کہ وہ اندر نہ دیکھ سکے۔

"میری بال ساتھ والوں کے بنگلے میں گر گئی ہے فورا" لا دو۔" وہ بے نیازی اور شاہانہ پن سے حکم دے کر فورا" مڑ گئی۔ جیسے اسے یقین ہو کہ فاروق اس کے احکامات پر ضرور عمل کرے گا اور سچ مچ وہ کوئی پس و پیش کیے بنا چلا گیا۔ اس کی واپسی پندرہ منٹ بعد ہوئی بال پروا کے حوالے کر کے وہ کمرے میں چلا گیا اس نے پھر باؤلنگ شروع کروا دی۔

"ارم یہ جو تمہارا ملازم فاروق ہے ناں مجھے بہت مشکوک لگتا ہے اوپری سی شے۔" رات پروا کی سوئی فاروق پر اٹک گئی۔

"نہیں پری ایسے ہی تمہیں مشکوک لگتا ہے بے ضرر کھسکی سا تو ہے اپنے کام سے کام رکھنے والا۔"

"ہاں دیکھ رہی ہوں وہ جو ہل جوتتا ہے۔ وہ بیٹھے ہو گئے ہیں مجھے آئے ہوئے اتنا ہٹا کٹا ہے کام کروا اس سے میری حویلی میں ایسا نوکر ہوتا ناں تو بیل کی جگہ اسے کھڑا کرتے کولہو چلواتی سارے عیش و آرام نکل جاتا۔" وہ نخوت سے بولی تو ارم نے موضوع بدل دیا۔

وہ دونوں جب ٹہل کر آئیں تو سب کے بیڈ روم کے دروازے بند تھے وہ دونوں بھی سونے کی تیاری کرنے لگیں۔ یہ چھ بیڈ رومز اور تین گیسٹ رومز پر مشتمل اچھا خاصا کشادہ گھر تھا ایک انیکسی بھی تھی جو خالی پڑی ہوئی تھی ساجد استعمال نہ ہونے کے باعث اسے کرائے پر دینا چاہ رہے تھے پر صالحہ نے روک دیا۔

"ارم مجھے نیند نہیں آرہی ہے کیا کروں۔" اس نے مزے سے سوئی ارم کو ہلایا تو وہ اسے ڈانٹ کر سو گئی۔ پروا جس روز دوپہر کو سو جاتی اس رات اسے نیند ہی نہ آتی یا دیر سے آتی جبکہ ارم دونوں وقت مزے سے بھرپور نیند لیتی پروا تو اپنی نیند کی عادات

وجہ سے تنگ تھی اتنی جلدی کیسے سو جاتی اب ارم مزے سے سو رہی تھی اور وہ اسے بے بسی سے دیکھ رہی تھی یہ طے تھا وہ ہرگز اٹھنے والی نہیں تھی پروا باہر نکل آئی۔ کوریڈور کی لائیٹ حسب معمول جل رہی تھی لیمپ پوسٹ بھی آن تھے۔ اوپر جانے والا بیرونی دروازہ بند تھا وہ گھوم کر اندر آئی یہ دروازہ کھلا ہوا تھا سیڑھیوں کے دونوں اطراف دروازے تھے ایک اندرونی اور ایک بیرونی بوقت ضرورت کسی دروازے سے بھی چھت پر جایا جا سکتا تھا۔

وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آگئی۔ دور دور تک روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔ وہ ساتھ والے بنگلے کا جائزہ لینے لگی۔ تمام لائٹس آن تھیں لیکن کوئی نظر نہیں آرہا تھا' وہ دائیں طرف آگئی یہاں سے گیٹ اور سڑک نظر آرہی تھی وہ اچک اچک کر باہر دیکھنے لگی اچانک سیڑھیوں پر چڑھتے قدموں کی آواز آنے لگی وہ سانس روک کر دیوار کے ساتھ لگ گئی اگر گھر والوں میں سے کوئی ہوتا تو اسے یوں رات گئے چھت پر دیکھ کر حیران ہوتا کہ سارا گھر سو رہا تھا وہ کیا کر رہی ہے یہ سوال آنے والے کے ذہن میں ضرور آتا۔ اس رخ پر پہلے اس نے سوچا ہی نہیں تھا بڑی دیر بعد دھیان آیا تھا تب تک وہ جو کوئی بھی تھا اوپر آچکا تھا پروا نے بڑی دیر سے رکا سانس خارج کیا وہ فاروق تھا۔ اسے دیکھ کر وہ حیران ہوا یا نہیں اس سے اسے کوئی غرض نہیں تھی البتہ وہ مطمئن ہو گئی تھی۔

"کیوں اوپر آئے ہو اس وقت اور لینا کیا ہے تم نے۔" وہ رعب سے بول کر اپنا بھرم رکھنا چاہتی تھی۔

"جھک مارنے آیا ہوں کوئی اعتراض۔" اس نے پھر لڑھکائے یوں لگ رہا تھا جیسے پروا کی موجودگی اسے اچھی نہیں لگ رہی ہے۔

"تم میرے ساتھ مالکوں والے انداز میں بات نہیں کیا کرو مالک ہم ہیں تم نہیں گیسٹ روم میں ٹھہرنے سے ملازم یا غلام مالکوں کے برابر نہیں ہو جاتے آئی سمجھ۔" وہ تپ کر بولی تو فاروق دوسری طرف مڑ گیا چھت پر لوہے کی کرسیاں شاید حال میں ہی رکھی گئی تھیں پروا نے پہلے نہیں دیکھی تھیں وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

اضطراری انداز میں وہ جوتے کی ٹو سے فرش کریدنے لگا۔

"بات سنو تم ہو کیا چیز انسان یا جن۔" وہ رک کر بولی۔

"انسان ہوں اگر جن ہوتا تو آپ اس وقت یہاں کھڑی ہو کر یہ سوال نہ پوچھ رہی ہوتیں اور پلیز اب آپ جائیں' میں ادھر سونے آیا ہوں نیچے گرمی ہے۔" وہ قطعی بے مروتی سے بولا۔

"تو سو جاؤ منع کس نے کیا ہے' میں تمہیں کھڑے ہو کر مور چھل نہیں جھلنے والی۔" وہ بگڑ کر بولی تو فاروق اسے چھیڑ بیٹھا۔

"کم از کم لگتا تو یہی ہے۔" وہ اطمینان سے ٹانگیں لمبی کرتے ہوئے بولا تو پروا کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے پھر بد تمیزی کر دی تھی۔

"دل چاہتا ہے تمہارا سر پھاڑ دوں۔" وہ دانت پیستے ہوئے غرائی۔

"لیں سر تسلیم خم ہے۔" اس نے سچ مچ سر جھکا دیا۔

"سر تسلیم خم کے بچے تمہارا علاج ڈھونڈنا پڑے گا۔" وہ دھڑ دھڑ کرتی سیڑھیاں اتر گئی۔ فاروق نے اطمینان سے اپنا کام شروع کر دیا۔

......*

پورے گھر میں وہ چک پھیریاں کھا رہی تھی اقرا آپی کی واپسی ابھی تک نہیں ہوئی تھی ہارون بھی غائب تھا۔ ساجد انکل صالحہ آنٹی اور ارم تینوں اپنی آنٹی عدینہ کی طرف گئے ہوئے تھے۔ عدینہ ساجد کی واحد بہن تھیں۔ صبح صبح ہی رابی کا فون آیا کہ مما کی طبیعت خراب ہے وہ تینوں سنتے ہی چلے گئے۔ اقرا کا پیپر تھا وہ یونیورسٹی چلی گئی' واپسی پہ اسے آنٹی کی طرف جانا تھا۔ صالحہ نے پروا کی نیند کی وجہ سے اسے نہیں اٹھایا تھا اقرا سے کہہ دیا تھا کہ واپسی پہ اسے لیتی آنا۔ اقرا نے اس کے سرہانے پیغام چھوڑ دیا تھا اور خانساماں سے کہا تھا کہ اس کے اٹھنے پر اسے ناشتا بنا دینا۔ بیدار ہونے پر وہ اقرا آپی کا پیغام پڑھ چکی تھی اس کا ناشتا بھی

تیار تھا چائے فلاسک میں تھی یہاں تک کہ سلائس پر مکھن اور جام بھی لگا ہوا تھا اسے اقرا آپی پر پیار آگیا۔
ناشتا کر کے وہ پھر سو گئی' اٹھی تو میوزک سے دل بہلاتی رہی۔ دو بجے کے قریب جب وہ لنچ کر کے فارغ ہوئی تھی تو اقرا آپی کا فون آگیا انہوں نے کہا کہ وہ عدینہ آنٹی کی طرف ہیں وہ ہارون کے ساتھ آجائے وہ اس کی تنہائی کے خیال سے کہہ رہی تھیں نہ جانے ہارون بھی کہاں غائب تھا البتہ اس کی بائیک پورچ میں کھڑی تھی پروا دعا کرنے لگی کہ ہارون جلدی سے آجائے پر اس کی جگہ فاروق آگیا وہ فریج سے بوتل نکال کر پانی پینے لگا تھا جب وہ تیز تیز چلتی اس کے قریب آئی فاروق نے پانی کا گلاس منہ تک لے جاتے لے جاتے روک لیا وہ اس کے منہ سے نکلنے والے کسی نئے شاہی حکم کا انتظار کر رہا تھا۔
"فاروق مجھے فوراً" آنٹی عدینہ کی طرف چھوڑ آؤ۔" وہ جلدی سے بولی۔
"مگر تینوں گاڑیاں گھر میں نہیں ہیں۔" اس نے آگاہ کیا۔
"ہارون کی بائیک تو ہے کام چور آدمی۔" وہ چمک کر بولی۔
"پر چابی تو شاید ان کے پاس ہی ہے۔" اس نے عذر پیش کیا۔
"ہارون گھر میں نہیں ہے بائیک ہے چابی بھی گھر میں ہوگی تم فکر مت کرو میں ڈھونڈ کر لے آئی ہوں۔" واقعی وہ چابی ڈھونڈ کر لے آئی۔
"اب چلو فوراً"۔ اس نے حکم دیا۔
"میں کپڑے بدل کر منہ ہاتھ تو دھولوں اتنی گرمی اور دھول مٹی سے اٹ کر آیا ہوں۔" فاروق نے اپنے پر شکن میلے کپڑوں پر نظر دوڑائی۔
"کوئی نہیں تمہیں دیکھ کر مرنے والا ایسے ہی آجائے۔" وہ مخصوص تحکم بھرے انداز میں بولی۔
"ہو سکتا ہے کوئی ہو۔" فاروق نے گلاس رکھتے ہوئے شریر نظروں سے اسے دیکھا۔
"آپ میرے ساتھ چلیں گے لوگ کہیں گے اتنی خوبصورت حسینہ کے ساتھ آدمی کیسا ہے میں تو آپ کے خیال سے کہہ رہا ہوں۔" وہ جان کر اسے چھیڑ بیٹھا۔
"شکل دیکھی ہے آئینے میں تم میرا خیال کرنے والے کون ہوتے ہو اگر آئندہ ایسے کہا تو شوٹ کر دوں گی کتنی بار کہا ہے حد میں رہا کرو۔"
وہ اسے گھور رہی تھی۔
"شکل آئینے میں روز دیکھتا ہوں آئینہ جھوٹ نہیں بولتا۔ اوپر والے کا شکر ادا کرتا ہوں۔" وہ بے نیازی سے کہہ کر موٹر سائیکل اسٹارٹ کرنے لگا۔ پروا سنبھل کر بیٹھ گئی۔ آنٹی عدینہ کا گھر خاصا دور تھا فاروق سیدھی سپاٹ سڑک پر تیز رفتاری سے موٹر سائیکل دوڑا رہا تھا۔ سامنے اچانک ہی اسپیڈ بریکر پر اس کی نظر پڑی تھی وہ رفتار کم نہ کر سکا تھا سنبھلنے کی کوشش میں پروا فاروق پر جا گری بے اختیار اس نے فاروق کو تھام لیا تھا۔
"تم ٹھیک طرح سے نہیں چلا سکتے۔" وہ پیچھے ہٹ کر ناراضگی اور غصے کے ملے جلے تاثرات سمیت بولی۔
"میرا کیا قصور ہے آگے اسپیڈ بریکر پر میری نظر نہیں پڑی تھی اور میں تو ایسے ہی چلاتا ہوں جس کو پسند ہو بیٹھے ورنہ اتر جائے ویسے بھی میں زبردستی بھگا کر یا اٹھا کر تو نہیں لایا ہوں آپ کو' خود آپ نے مجھے کہا تھا کہ چھوڑ آؤ۔" وہ بے باکی سے کہے جا رہا تھا پروا اس کے الفاظ پر غضب ناک ہو گئی۔
"میں تمہیں قتل کر دوں گی۔"
"یہیں سڑک پر۔" وہ دل جلانے والے انداز میں مسکرایا۔
"میں تمہیں آخری بار وارن کر رہی ہوں اگر آئندہ میرے ساتھ کوئی ایسی ویسی بات کی تو میں پھر تمہیں دیکھ لوں گی اپنا مقام پہچانو میرے منہ نہ لگا کرو۔" بائیک رکتے ہی وہ اس پر الٹ پڑی۔
فاروق کا جی چاہ رہا تھا اس رئیس زادی کا دماغ درست کر دے ملازم تو اس کی نظر میں کیڑے مکوڑوں سے بھی بدتر تھے وہ اسے بھی اپنا معمولی غلام تصور کرتی تھی تب ہی تو اتنے ہتک آمیز طریقے سے پیش

آئی تھی۔

"آپی آپ کو ملازم رکھنے کے لیے یہی شخص ملا تھا' اتنا بدتمیز سا ہے' فضول سا۔ کام بھی خاص نہیں کرتا ہے' مفت کی روٹیاں توڑتا ہے۔ آپ نے بتایا تھا کہ حسان بھائی اور انکل نے اسے ڈرائیور رکھا ہے پر وہ دونوں تو زیادہ تر خود ہی گاڑی ڈرائیو کرتے ہیں آپ کو بھی کہیں جانا ہو تو خود جاتی ہیں پھر اسے تنخواہ کس بات کی مل رہی ہے۔ اوپر سے آپ سب نے اسے اتنا سر چڑھایا ہوا ہے۔" پروا کا منہ پھولا ہوا تھا۔

"کیوں پری اس نے تمہیں کچھ کہا ہے۔" اقرا پیار سے اس کے گال سہلاتے ہوئے بولیں۔

"مجھے کہہ کر تو دیکھے کچھ' سر نہ پھاڑ دوں میں اس کا۔" وہ جوش سے تن تان کر کھڑی ہو گئی۔ اقرا کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی۔

"اچھا پری دیکھیں گے اسے۔" اس نے اسے بہلایا۔

پروا کا دل آئس کریم کھانے کو چاہ رہا تھا۔ پر مشکل یہ تھی کہ اس بھری دوپہر میں ارم اس کے ساتھ آئس کریم کھانے جانے کے لیے تیار نہیں تھی اس نے ہارون کی منت کی کہ ہمیں آئس کریم لادو پر وہ بے مروتی سے انکار کرکے کمرے میں گھس گیا اب وہ کس سے کہتی۔؟ حسان بھائی اور اقرا آپی کے رعب کی وجہ سے وہ یہ بات ان سے کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔ حسان بھائی تو ویسے بھی گھر میں نہیں تھے۔ اقرا آپی سو رہی تھیں اگر وہ ان سے کہتی تو وہ ہرگز انکار نہ کرتیں پر وہ انہیں نیند سے اٹھانا نہیں چاہتی تھی کم از کم وہ ارم کی طرح طوطا چشم تو نہیں تھیں۔ اب لے دے کے فاروق بچا تھا پر اس کے نخرے بھی مالک سے کم نہیں تھے۔ پروا کو اسے حکم دے کر بڑا مزا آتا تھا۔ اس کا تحکمانہ مزاج بڑا تسکین پاتا تھا اس نے تو اپنے ایک اشارے پر حکم کی تعمیل ہوتے دیکھی تھی۔ یہ فاروق کس کھیت کی مولی تھا۔ کوندے کی طرح ایک خیال اس کے ذہن میں لپکا وہ سیدھی فاروق کے کمرے میں دستک دیے بغیر گھس گئی وہ سو رہا تھا۔

"اٹھو' اٹھو' جلدی اٹھو۔" اور جھک کے اسے ہلایا وہ اوندھا تکیہ میں منہ چھپائے سو رہا تھا۔ نازک ہاتھوں نے بڑی بے مروتی اور سختی سے اسے چھوا تھا اس اچانک افتاد پر وہ سیدھا ہوا تو پروا نے دیکھا کہ اس کے اوپری جسم پر کوئی کپڑا نہیں ہے۔ پروا کو ضوفشاں کی بات یاد آگئی۔ "تمہیں دیر سے عقل آتی ہے۔" لاکھ وہ ملازم سہی پر تھا تو مرد' وہ کتنے دھڑلے سے دستک دیے بنا گھس آئی تھی اور پھر کس طرح سے اسے جھنجھوڑا تھا۔

"جی فرمائیے اب کون سا کام کروانا ہے۔" وہ نیند کے خمار سے بوجھل آنکھیں بمشکل کھولتا ہوا بولا اور اٹھ بیٹھا اس نے شرٹ کی تلاش میں ادھر ادھر نگاہ دوڑائی وہ صوفے پر پڑی ہوئی تھی وہ پروا کے قریب سے گزر کر صوفے کی طرف بڑھا۔

"مجھے آئس کریم لادو۔" وہ کہہ کر بھاگ آئی۔

فاروق کو اس انداز میں دیکھنا اسے مناسب نہیں لگا تھا اگر وہ اس کے یوں بے دھڑک جگانے کا کوئی اور مطلب نکال لیتا کوئی بدتمیزی کر دیتا تو...... آگے ہی اتنا بدلحاظ تھا۔ واقعی اسے دیر سے عقل آتی تھی۔ اسے یوں بھری دوپہر میں ایک مرد کے کمرے میں نہیں جانا چاہیے تھا۔

دو روز بعد وہ اس بات کو بھول بھال گئی۔ فاروق نے اسے آئس کریم لادی تھی اور پیسے بھی نہیں مانگے تھے اپنی اس احمقانہ بہادری پر اس نے خود کو خوب سراہا تھا کہ اتنے بڑے مرد کو الو بنا دیا ہے آئس کریم کے پیسے ہی نہیں دیے ہیں۔

......*

"ارم آؤ فاروق کے کمرے کی تلاشی لیتے ہیں۔" وہ اس کی احمقانہ تجویز پر اسے گھورنے لگی۔

"اچھا نہ تو نہ سہی۔" پروا نے موضوع بدل دیا' اسے یہ تو علم ہو گیا تھا کہ ارم اس کا ساتھ نہیں دے گی' پروا نے تنہا ہی یہ مہم سر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

فاروق صبح سے ہی کہیں گیا ہوا تھا۔ صالحہ نے جاتے جاتے سودے سلف کے سامان کی لسٹ اسے تھمادی تھی کہ واپسی پہ لیتے آنا۔ اقرا ڈرائنگ روم میں اپنی دوست کے ساتھ مصروف گفتگو تھیں۔ آنٹی صالحہ

بھی وہیں تھیں۔ ارم انیکسی کی صفائی کروا رہی تھی۔ پروا کے اس اعتراض پر کہ فاروق ملازم ہوتے ہوئے بھی گیسٹ روم میں کیوں رہتا ہے۔؟ انکل ساجد نے اسے انیکسی میں ٹھہرانے کا انتظام کر دیا تھا کیونکہ سرونٹ کوارٹرز نہیں تھے۔ ارم اس سلسلے میں انیکسی کی جھاڑ پونچھ میں لگی ہوئی تھی۔ ہارون بھی غائب تھا۔

موقعہ اچھا تھا میدان صاف تھا۔ وہ فاروق کے کمرے کی طرف بڑھی افسوس کہ دروازہ لاک تھا وہ جب بھی جاتا کمرہ بند کر کے جاتا تھا۔ پچھلی سائیڈ کی کھڑکی شاید بے دھیانی میں کھلی رہ گئی تھی وہ اسے پھلانگ کر اندر داخل ہو گئی۔ اول روز سے فاروق اسے پراسرار سا لگا تھا جیسے وہ وہ نہیں ہے۔ جو وہ خود کو خود کو ظاہر کرتا ہے بلکہ کچھ اور ہے اور وہ کیا ہے وہ یہی جاننے کے لیے چوروں کی طرح اس کے کمرے میں گھسی تھی۔

پروا نے جلدی جلدی الماری دیکھی' دراز کھولے کہ شاید کوئی قابل ذکر چیز مل جائے جو فاروق کی پراسراریت سے پردہ ہٹا دے۔ تیسرا دراز لاک تھا اس نے ادھر ادھر ہاتھ مارے کہ شاید چابی مل جائے اور چابی مل گئی۔ دراز کھلنے پر اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ سامنے کالا سیاہ جدید طرز کا چھوٹا سا ریوالور اس کا منہ چڑا رہا تھا۔ ریوالور کے نیچے دو تین کارڈز پڑے ہوئے تھے اس سے پہلے کہ اس کا ہاتھ ان کارڈز کی طرف بڑھتا وہیں ساکت ہو گیا۔

"کیوں بلا اجازت آپ چوروں کی طرح میرے کمرے میں گھسی ہیں۔" فاروق کا سرد لہجہ اس کا لہو جما گیا۔

اس نے آتے ہی کھڑکی کے پٹ وا دیکھے تو اس کا ماتھا ٹھنک گیا جہاں تک اسے یاد پڑتا تھا وہ کھڑکی بند کر کے آیا تھا وہ بھی کھڑکی کے راستے اندر آیا اور اسے دیکھ کر اس کا جی چاہا کہ زوردار تھپڑ اسے دے مارے تاکہ وہ ہر وقت شرلاک ہومز کی طرح اس کی جاسوسی نہ کرتی پھرے۔

"میں پوچھتا ہوں آپ اس طرف کیوں آئی ہیں۔ دروازہ لاک ہے میں کھڑکی سے اندر آیا ہوں آپ کو غائب پا کر کوئی اس طرف نکل آئے تو جانتی ہیں کیا ہو گا۔۔۔" وہ پروا کے بالکل قریب جھک گیا اسے فاروق کا قرب بہت کھلا۔

"کک کک کیا ہو گا۔" اس نے بمشکل تھوک نگلا۔

"آپ پر آنچ آئے گی سو آئے گی پر میں بھی نہیں بخشا جاؤں گا برابر کا شریک ٹھہرایا جاؤں گا۔۔۔ جائیں اگر آئندہ یوں اپنے کمرے میں دیکھا تو نتائج کی ذمہ دار سراسر آپ خود ہوں گی۔" وہ آگے سے ہٹ گیا پروا ڈولتے قدموں سے باہر آئی۔

اس پوائنٹ پر اس نے پہلے سوچا ہی نہیں تھا اتنی عقل نہیں تھی کہ گہری گہری باتیں سوچتی' ماں بہنیں نہیں تھیں جو اسے سمجھاتیں دوسروں کو کیا تکلیف تھی جو اسے روک ٹوک کرتے وہ خود سے کتنے وعدے کرتی کہ آئندہ یہ کام نہیں کرے گی پر وہ کام ہو جاتا تھا دماغ کی سب ہدایات بھول جاتی تھی۔

فاروق کے خلاف اس کے ذہن میں شدید نفرت بھر گئی تھی۔ کتنے سخت لہجے میں بول رہا تھا جیسے پرانے وقتوں میں "شاہی جلاد" رہ چکا ہو اسے سوچ کر جھرجھری آگئی' وہ ریوالور بھی یاد آگیا نہ جانے کیوں اس نے رکھا ہوا تھا۔ اسے یقین ہو گیا کہ فاروق کا تعلق کسی خاص تنظیم یا دہشت گرد گروہ سے ہے اور یہ سب بھولے بھالے لوگ اس کے جال میں پھنسے ہوئے تھے۔ ترس کھا کر نوکری دی تھی وہ دھڑلے سے ٹیبل پر بیٹھ کر کھانا کھاتا' سہولیات سے مزین گیسٹ روم میں رہتا اور مزے سے عیش کرتا۔ اس نے ایسے ملازم کہاں دیکھے تھے کوئی اسے کچھ کہتا ہی نہیں تھا پروا ہی تھی جو اس کے سر پر کھڑے ہو کر الٹے سیدھے کام کرواتی' یہاں آتے ہی تیسرے روز اس نے مہمان کا چولا اتار پھینکا اور فاروق کو اس کا مقام بتانے کھڑی ہو گئی وہ اسے فارغ بیٹھا زہر لگتا ہر وقت اسے دوڑاتی رہتی "یہ کرو' وہ کرو' یہ لادو' وہ لادو' یہاں کیوں کھڑے ہو' ایسے کیوں بیٹھے ہو' گیسٹ روم میں مت سویا کرو' یوں ہر وقت کام چوروں کی طرح نہ پڑے رہا کرو۔

ایسی تمام باتوں سے اس نے بہت جلد فاروق کی زندگی اجیرن کر دی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اسے نوکری سے نکلوا کر ہی دم لے گی، پروا سے کچھ بعید بھی نہ تھا ایک بار جو خناس اس کے دماغ میں سما تا وہ اسے پورا کر کے ہی دم لیتی۔ جیسے اب فاروق کا کیڑا اس کے دماغ میں کلبلایا تھا۔ اس نے سارے لان کی گھاس اس سے کٹوائی، پودوں کی گوڈی کروائی، انکل ساجد اور صالحہ آنٹی گھر پر نہیں تھیں البتہ اقرا آپی نے اسے آہستگی سے ٹوکا تھا کہ وہ ڈرائیور ہے مالی نہیں ہے۔ جواباً اس نے فاروق کی کام چوری پر ایک لمبا شکایت نامہ سنایا وہ چپ ہو گئیں۔ ارم اور ہارون بھی خوش نہیں لگ رہے تھے۔

"کیوں بے چارے کے پیچھے پڑ گئی ہو۔" ارم گوڈی کرتے فاروق کو تاسف سے دیکھ رہی تھی۔ ہارون بھی اس کے ساتھ شامل ہو گیا تھا۔

"دیکھا کتنا موٹا تازہ ہے یہ، ریسلر لگتا ہے، میرے حویلی میں ہوتا ناں تو پورے پائیں باغ کی ڈیوٹی اس کے ذمے لگاتی اور ایک دن میں باغ کو درست کرواتی، قسم سے ایک ماہ بعد تم آتیں تو پہچان نہ پاتیں جوانی اور طاقت کا سارا نشہ ہرن کر دیتی۔" وہ تحقیر سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"یار پری تم پاگل ہو بھلا اسے جوانی اور طاقت کا کون سا نشہ ہے بے ضرر سا آدمی ہے۔" ارم نے اس کی وکالت کی۔

"یہ اس کے بازو اور کندھے دیکھ رہی ہو باقاعدہ باڈی بلڈر لگتا ہے۔ اس روز کہہ رہا تھا کہ میرے اوپر بہت ساری لڑکیاں مرتی ہیں۔" پروا کے منہ سے اس روز والی بات نکل گئی۔

"ہاں تو غلط کہتا ہے، ہے ہی اتنا زبردست، ویسے پری اسے دیکھ کے تمہیں خیال نہیں آتا کہ اسے ہالی ووڈ کی فلموں میں ہونا چاہیے۔" ارم کی اس بات پہ اس نے غور سے اس کا جائزہ لیا تو وہ بوکھلا گئی۔

"کہیں اس پہ مرنے والی لڑکیوں میں تم بھی تو شامل نہیں ہو۔" ارم کا جی چاہا کہ اس کا سر پھاڑ دے۔

"بی بی میں کیں اس کی بات سمجھی ہوں بلکہ آپی کے حوالے سے......" ارم نے زبان دانتوں تلے داب لی، یہ اس کے منہ سے کیا نکلنے والا تھا صد شکر کہ پروا آگے ہو گئی تھی اس کی بات سنی ہی نہیں۔

فاروق کے عین سامنے وہ کھڑی ہو گئی تھی۔

"دیکھا اسے کہتے ہیں تنخواہ کا حلال ہونا۔" اس نے ارم کو بھی بلایا۔ فاروق پسینے پسینے ہو رہا تھا ہارون فریج سے ٹھنڈے یخ اسکوائش کا جگ نکال کر لے آیا تھا جو اقرا نے بنا کر رکھا تھا اس نے فاروق کو گلاس بھر کر دیا وہ غٹاغٹ تین گلاس چڑھا گیا۔

"بس اب میں جاؤں دیکھ لیں سارا لان ٹھیک کر دیا ہے۔" وہ اجازت طلب نگاہوں سے پروا کو دیکھ رہا تھا۔

"ہوں جاؤ۔" اس نے سر ہلایا، وہ سوچ رہی تھی کہ انکل اور آنٹی لان کو صاف ستھرا دیکھ کر کتنا خوش ہوں گے، مالی کئی روز سے چھٹی پر تھا تب ہی یہ خیال اس کے ذہن میں آیا تھا کہ فاروق سے لان ٹھیک کروایا جائے۔

رات حیات کا فون آیا اس نے بتایا کہ حویلی میں وڈیرا سائیں کا فون آیا ہے آپ کو پیار کہہ رہے ہیں۔ پروا کی حالت خوشی سے غیر ہو گئی۔

"بابا سائیں مجھے یہاں فون نہیں کر سکتے تھے۔" وہ خفا تھی۔

"بی بی سائیں وہ جلدی میں تھے۔" حیات نے اسے مطمئن کیا۔

*_*_*

ارم نے انگلش فلم لگائی ہوئی تھی پروا نے تھوڑی سی بحالت مجبوری دیکھی اور اٹھ آئی اب وہ ٹہل ٹہل کر سوچ رہی تھی کہ کیا کیا جائے اوپر اسٹور روم میں ہارون کی بہت ساری پتنگیں پڑی ہوئی تھیں۔ اس نے بسنت کے موقع پر دونوں کو اڑانا سکھائی تھیں۔ اس نے سوچا کہ ارم کو لا کر دکھائے تو شاید وہ اس کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو جائے اور موی بند کر دے۔ اس سوچ نے اس کے اندر توانائی سی بھر دی مزے سے سیڑھیاں پھلانگ کر وہ اوپر پہنچی دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اسے بادامی شرٹ کی جھلک سی جھلک دکھائی دی یقیناً "یہ

URDU PHOTO

فاروق تھا۔

"یہ آخر اسٹور روم میں کیا کر رہا ہے۔؟" دبے قدموں وہ اندر داخل ہوئی اسٹور روم میں ایک کھڑکی پڑوسیوں کے صحن کی طرف کھلتی تھی وہاں سے کھڑے ہو کر آنے جانے والوں کا با آسانی نظارا کیا جا سکتا تھا۔ فاروق اسی کھڑکی کے آگے کھڑا تھا اور اس کے گلے میں جدید ترین ساخت کا غیر ملکی کیمرہ لٹکا ہوا تھا وہ انتہائی محویت سے تصویریں لے رہا تھا وہ آگے ہوئی کہ دیکھے پڑوسیوں کے صحن میں کیا چیز ہے۔ جو یوں فاروق جیسا معمولی نوکر اس حساس ترین پولرائیڈ کیمرے سے تصویریں بنا رہا ہے۔ جوش سے وہ آگے ہوئی اسی جوش نے کام بگاڑ دیا۔ آہٹ پر فاروق نے اسے دیکھا بس ایک لمحہ تھا فاروق نے اسے گھسیٹ کر خود سے قریب کر لیا ایک ہاتھ اس کی گردن کے گرد لپیٹتے ہوئے اس کے منہ پر رکھ دیا۔

"خبردار جو کوئی حرکت کی یا آواز نکالی۔" اس کا لہجہ ایسا تھا کہ پروا کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ فاروق کا مضبوط ہاتھ ڈھکن کی طرح اس کے منہ پر جما ہوا تھا اور بازو شانے سے ہوتا ہوا گردن میں لپٹا ہوا تھا وہ کھٹا کھٹ تصویریں لینے لگا اسے مشکل تو ہو رہی تھی پر اس مشکل صورت حال میں وہ کوئی رسک نہیں لے سکتا تھا کتنی آکورڈ صورت حال تھی وہ فاروق کے اتنے قریب تھی کہ نظر اٹھا کر اس کی گردن پر لگے زخم کے نشان کو دیکھ سکتی تھی نہ جانے اس عالم میں کتنی دیر ہو گئی پروا کو یوں لگا جیسے صدیاں گزر گئی ہیں اس نے ہاتھ روک لیا۔

"اگر نیچے جا کر کسی سے کچھ کہا تو آپ کی ہی بدنامی ہوگی اس گستاخی کے لیے معذرت خواہ ہوں پر یہ میری مجبوری تھی۔ آپ ہی عین وقت پر نازل ہو گئیں۔" فاروق نے اس کے گرد لپٹا اپنا فولادی بازو ہٹا لیا وہ ایک کے بجائے دو دو سیڑھیاں اتر کے آئی تھی اور سیدھی کمرے میں گھسی تھی۔ آنسوؤں کے سمندر ابل پڑنے کو بے تاب تھے اس نے ان کا راستہ روکنے کی کوشش بھی نہیں کی وہ جو [illegible] کچھ کر دکھانے پر اتر آتا تو اس کے آگے [illegible] کتنی قیامت لگ رہا تھا۔ اس صورت حال کا اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا فاروق کی یہ جرات اسے سر سے پیر تک جھلسائے دے رہی تھی۔ دل چاہ رہا تھا حسان بھائی کے ریوالور کا پورا راؤنڈ اس پر خالی کر دے اسے اتنا مارے اتنا مارے کہ اس کے جسم سے خون کا آخری قطرہ تک نکل جائے۔

اس لمحے اگر کوئی اور وہاں آ جاتا جیسے وہ آئی تھی تو کیا ہوتا تو سب جو اسے اتنا معصوم تصور کرتے ہیں وہ کیا مطلب نکالتے۔ انکل اور آنٹی اس کے بارے میں کیا سوچتے۔ روتے روتے وہ سو گئی تھی۔ ارم جگانے آئی تب بھی نہیں اٹھی اقرا کھانے کا کہنے آئیں تو اس نے انکار کر دیا وہ اس کے قریب بیٹھ گئیں۔

"پری کیا ہوا ہے۔" وہ پیار سے بولیں تو اس نے جھر جھر نیر بہانے شروع کر دیے۔

"مجھے حویلی جانا ہے بابا سائیں مجھے یاد آ رہے ہیں۔" وہ اسی رفتار سے رو رہی تھی۔

"اچھا چلی جانا گھر بھی فی الحال اٹھو کھانا کھا لو۔" اقرا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھانا چاہا پر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی گھر بھر کو خبر ہو گئی کہ پروا کو گھر یاد آ رہا ہے۔

"پری میں نے تمہاری پرسوں کی سیٹ کنفرم کروا دی ہے اب تو مسکراؤ۔" حسان بھائی نے اسے دلاسا دیا تو وہ مسکرا بھی نہ سکی۔

ہاں حویلی جانے کی خوشی ہو رہی تھی پر ساتھ ساتھ فاروق کو سبق سکھانے کا بھی دل چاہ رہا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

"پری کیا ہوا۔" ارم نے اسے بلایا تو وہ اسے جھٹک کر اٹھ گئی اور آگے آ کر بیٹھ گئی۔ اچانک ہی اس کی نگاہ اقرا آپی پر پڑی تھی۔ وہ دم بخود سحر زدہ سی کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھ رہی تھیں جیسے ان کی نگاہوں کے تعاقب میں یوں ہی دیکھتے ہوئے وہ چونک گئی۔ فاروق پائپ لگائے پورچ میں کھڑی گاڑی دھو رہا تھا۔ پینٹ کے پائنچے اونچے کیے شرٹ کی آستین فولڈ کیے بظاہر وہ مگن تھا اور اقرا آپی اسے دیکھ رہی تھیں۔ وہ قدرے آگے ہوئی تو اقرا نے اسے دیکھتے ہی کتاب جھٹ

کے آگے کرلی پروا پورچ میں چلی گئی۔

اس واقعے کے بعد وہ پہلی بار اس کے سامنے آئی وہ زور و شور سے صاف کپڑا ونڈ اسکرین پر پھیر رہا اس کے اگلے تینوں بٹن کھلے ہوئے تھے۔ پروا کا جی گملوں میں پڑی مٹی اٹھا کر اس کے اسرار بھرے پر مل دے وہ زیر لب گنگنا بھی رہا تھا غور سے پروا کو سمجھ میں آیا۔

تیری زلفوں سے بادل کو رنگت ملی
تجھ کو چھو کر ہوائیں معطر ہوئیں

پروا کی نگاہ بے اختیار اقرا آپی کے کھلے بالوں کی اٹھ گئی جو ہوا سے لہراتے تو وہ نزاکت سے سمیٹتیں اس عالم میں وہ ہمیشہ سے زیادہ اچھی رہی تھیں۔ پر نہ جانے کیوں آج پہلی بار وہ اسے نہیں لگیں۔ اس کا سبب وہ خود بھی جان نہیں پا تھی پھر وہ اندر چلی گئی جیسے یہ منظر برداشت سے ہو۔

پھر دوسرے روز پروا جب جانے لگی تو فاروق غائب نے یوں ہی برسبیل تذکرہ ارم سے پوچھا تو اس والی چونکا دینے والی خبر سنائی کہ وہ نوکری چھوڑ کر چلا ہے۔

*_*_*

پروا اپنے شاندار سے بیڈ روم کے گداز بستر پر کروٹیں بدل رہی تھی ایک دم جیسے حلق میں کانٹے پڑ گئے تھے۔ سائیڈ ٹیبل سے پانی کا جگ اٹھا کر اس نے براہ راست منہ سے لگا لیا اور غٹاغٹ پینے لگی اس پہ نہ جانے کیوں بے چینی سی طاری ہو گئی تھی۔ دوبارہ بیڈ پر لیٹی تو نیند کا کوسوں امکان نہ تھا اسے اپنا بایاں رخسار گردن و کان اور پہلو سلگتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے، جانے کہاں سے اس کی گردن پر لگا زخم کا منظر پروا کی آنکھوں کے آگے ٹھہر سا گیا تھا۔ ایک بار پھر اسے اپنا آپ برا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ زور زور سے رونا چاہ رہی تھی پر رو نہیں پا رہی تھی۔

"فاروق تم بہت خراب ہو۔" اس نے سسکی لیتے ہوئے تکیے میں منہ چھپا لیا۔

ایک دن اداس دن تمام شب اداس

کسی سے کیا بچھڑ گئے جیسے کچھ بچا نہیں

*_*_*

حویلی کے تمام ملازمین ہی پروا کی غیر معمولی خاموشی کو محسوس کر رہے تھے۔ جب سے آئی تھی چپ چپ سی تھی کسی ملازم کو اس کی سستی پر ڈانٹا بھی نہیں نہ سر پر کھڑے ہو کر کام کروایا' بھاگ بھری اور ماروی اس وقت بھی اس کے بارے میں بات چیت کر رہی تھیں۔

"بھاگ بھری دیکھ تو بی بی سائیں کا رنگ کتنا پیلا ہو گیا ہے۔" اس نے سنگی بینچ پہ گم صم بیٹھی پروا کی طرف اس کی توجہ دلائی اتنے میں حویلی کی پرانی اور ادھیڑ عمر ملازمہ فاطمہ بھی ادھر آ گئیں۔ ان دونوں کے خدشات ظاہر ہونے کے بعد وہ سیدھی پروا کی طرف بڑھ گئیں' پروا ان سے بڑے احترام سے پیش آتی تھی۔

"دھی رانی کسی نے کچھ کہہ تو نہیں دیا جو یوں چپ چپ ہیں۔" وہ گھاس پر بیٹھ گئی تھیں۔

"نہیں اماں۔" پروا بے دلی سے مسکرائی۔

"پھر میری دھی کو نظر لگی ہے میں ابھی مرچیں وارتی ہوں آپ کے اوپر۔" فاطمہ اندر مرچیں لینے چلی گئیں۔

"ہاں مجھے نظر لگ گئی ہے۔ بہت بڑے دیو کی۔" اس کا دل اندر سے رونے لگا فاطمہ مرچیں لے آئی تھیں۔

"دھی یوں نہ رہا کرو وڈیرا سائیں کی جان ہے تم میں۔" وہ اس کے گرد مرچیں پھیرتے ہوئے تلقین کر رہی تھیں۔ پروا کی آنکھوں سے ایک آنسو ٹپکا اور قمیص میں غائب ہو گیا۔

"اور میری جان تو کوئی بھری دوپہر میں ساتھ لے گیا ہے۔" اس کے دل نے پھر دہائی دی۔

*_*_*

بھاگ بھری اس کے گیلے بالوں کو نرمی سے سلجھا رہی تھی پانی بالوں سے ٹپکتا ہوا اس کی قمیص کو نم کرتا جا رہا تھا۔

"بی بی سائیں آپ کے بال کتنے سونہڑے ہیں۔"

بھاگ بھری نے بے اختیار تعریف کی تو کوئی اس کے کانوں میں گنگنایا۔

تیری زلفوں سے بادل کو رنگت ملی

"بس اب جاؤ میں خود کرلوں گی۔" پروا نے برش اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ اداسی اور بے کلی نے اس کے پورے وجود کو ڈھانپ لیا تھا۔ حویلی کے ملازمین اور ارم کے گھر میں اگر کسی کو یہ خبر ہو جاتی کہ وہ ایک معمولی نوکر کے بارے میں اس طرح سوچ رہی ہے تو وہ سب کی نظروں میں گر جاتی وہ اسے پاگل گردانتے بھلا کہاں پروا اور کہاں فاروق جیسا معمولی نوکر جسے وہ ہر وقت ڈانٹ کر تحقیر کر کے اس کا مقام یاد دلانے کی کوشش کرتی تھی وہ ہر وقت دوڑاتی تھی اسے۔ اسی فاروق کے بارے میں اس کے احساسات بدل چکے تھے۔

اگر بابا سائیں کو اس کے خیالات کی خبر ہو جاتی تو یقیناً" وہ تمام لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے پروا کو گولی مار دیتے کیونکہ جس شخص کے ساتھ انہوں نے پروا کا نکاح کیا تھا وہ ان کی نگاہ میں بہت بلند تھا وہ اکثر کئی بار اس کی تعریف کر چکے تھے۔ ان کی باتوں سے اس نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ بہت جلد اس کی شادی کر دیں گے۔ پروا کو اس شخص سے ایک فیصد بھی دلچسپی نہیں تھی۔ اس رشتے نے اس کے اندر کوئی جذبہ نہیں جگایا تھا۔ الٹا وہ لاہور سے روگ اپنے ساتھ لگا لائی تھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ وہ فاروق کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی تھی۔ سوائے اس کے کہ وہ ڈرائیور ہے اور اسے حسان بھائی نے رکھا تھا اب تو وہ ان کی ملازمت بھی چھوڑ چکا تھا۔ اسے اضطراب اور بے کلی کے حوالے کر کے جانے وہ خود کہاں چلا گیا تھا۔

اس روز اس نے بے اختیار لاہور ارم کا نمبر گھما ڈالا۔

صالحہ آنٹی اور انکل سے بات چیت کے بعد ارم کی باری آئی۔

"کیسی ہو تم؟" وہ [illegible] سے بولی۔

"میں تو ٹھیک ہوں لیکن تمہاری آواز کو کیا ہوا ہے۔ [illegible] لگ رہی ہو کہیں پاکستان کا غم خود ہی تو ٹھیک نہیں کرنے لگی تھیں۔" ارم نے اسے [illegible] وہ بے اختیار فاروق کے بارے میں پوچھ بیٹھی۔

"وہ جو تمہارا ڈرائیور تھا پھر نہیں آیا۔" اس کے لہجے کی بے قراری چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔

"ارے نہیں تمہاری ڈانٹ کے بعد وہ بھاگ گیا ہے اب تو کبھی نہیں آئے گا ویسے مزے کی بات ہمارے ساتھ والا جو شاندار سا سپر لگژری بنگلہ تھا اس نے وہاں ملازمت کرلی ہے۔" ارم چہکی۔ بات ہی ختم ہو گئی وہ کیسے بات آگے بڑھاتی ارم کی میں اس کا کیا بھرم رہ جاتا وہ کیا سوچتی۔؟

......*

بابا سائیں اور رزلٹ کا اسے برابر انتظار تھا حیات کے مطابق وہ امریکہ میں اتنے مصروف تھے فون کرنے کے لیے وقت ہی نہیں نکال سکتے تھے جب ایک دن اس کی بے قراری حد سے بڑھی تو بابا سائیں کا فون آ ہی گیا پر ان کی آواز کافی بھاری لگ رہی تھی۔ وہ مسلسل کھانس رہے تھے۔ پروا کے استفسار پر انہوں نے بتایا کہ انہیں موسمی نزلہ زکام اور کھانسی ہے۔ اسے تسلیاں دلاسے دینے کے بعد انہوں نے فون بند کر دیا۔ حیات لاہور گیا ہوا تھا پروا کو خبر نہیں تھی کہ وہ داور کی طرف گیا ہوا ہے۔ وہ بابا سائیں کی طرف سے ملنے والے حکم کے بعد داور سے ملنے گیا تھا۔

اس وقت وہ داور کے گھر کے ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ چیزوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ یہ ڈرائنگ روم قدیم اور جدید طرز آرائش کا بہترین امتزاج تھا۔ اس نے دل ہی دل میں مکینوں کے ذوق کو سراہا۔

"ڈرائنگ روم میں تم سے بڑی بڑی مونچھوں والا کوئی آدمی ملنے آیا ہے۔" داور واش روم سے جیسے ہی نکلا مما نے اسے بتایا۔

"نام بتایا ہے اس نے۔" وہ شرٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے بولا۔

"میں نے پوچھا ہی نہیں پر مجھے وہ آدمی بہت خطرناک لگا ہے پتا نہیں کیسے کیسے لوگوں سے تمہارا ملنا جلنا ہے۔" ماہ گل بیگم نے بے زاری سے ماتھے پر ہاتھ

دار تو وہ ہنسنے لگا۔
"مما میری جاب ہی ایسی ہے۔ اچھے برے، الٹے سیدھے، ٹیڑھے میڑھے، نیک و بد لوگوں سے واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ بہرحال میں دیکھتا ہوں آپ کولڈ ڈرنکس کے ساتھ کچھ اور بھجوا دیجیے گا۔" وہ نکل گیا۔ حیات کو دیکھتے ہی اس کے ماتھے پر نامحسوس سے بل پڑ گئے تھے۔ وہ اس سے بڑے احترام سے ملا پر داور نے زیادہ گرم جوشی نہیں دکھائی۔
"وڈیرا سائیں کہہ رہے ہیں کہ آپ نے گھر والوں کو راضی کر لیا ہے تو بی بی سائیں کو لے جائیں کیونکہ وڈیرا سائیں کی گرفتاری کے بعد ان کے رشتہ داروں میں نئی نئی افواہیں گردش کر رہی ہیں۔" حیات نے اس کے آگے ہاتھ باندھے بتایا۔
"دیکھو حیات ابھی میں نے گھر والوں سے بات نہیں کی ہے کچھ عرصہ تو لگے گا اور تمہاری رئیس زادی کو خطرہ کیوں ہونے لگا اتنے بڑے وڈیرے کی بیٹی ہے تمہارے جیسے جانثار ملازم ہیں ان کے۔" داور کے طنز کو حیات جانے سمجھا یا نہیں پر لجاجت سے بولا۔
"سائیں داور آپ حویلی کا چکر لگا لیں ہمیں ذرا تسلی رہے گی۔"
"میں فارغ نہیں ہوں، مسٹر حیات حکومت کا ملازم ہوں مجھے اتنی فرصت نہیں ہے کہ حویلیوں کے چکر لگاؤں۔" وہ تلخی سے بولا تو حیات حیرت سے اسے تکنے لگا۔
"داور سائیں وڈیرا سائیں نے باقاعدہ پیغام بھیجا ہے میں تب ہی آیا ہوں۔"
"اور میں تو تمہارے وڈیرا سائیں کا تنخواہ دار ملازم ہوں ناں جو ان کا پیغام ملتے ہی فوراً حکم کی تعمیل کروں گا۔"
حیات کو اس کی بے جا ناراضگی سمجھ میں نہیں آرہی تھی اس نے ٹیبل پہ سجے لوازمات کو ہاتھ تک نہیں لگایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔
"اچھا سائیں چلتا ہوں اجازت دیں۔" وہ آگے دروازے کی طرف بڑھا [illegible] تھا اور سائیں وڈیرا سائیں کا داماد تھا۔ وہ اس سے بدتمیزی نہیں کر سکتا تھا پھر وہ اسپیشل پولیس ڈپارٹمنٹ کا اعلیٰ افسر تھا۔ کمر سے بندھا ریوالور اور گولیوں کا پٹہ اسے متاثر نہیں کر سکتا تھا۔
"اچھا میں فرصت ملتے ہی چکر لگاؤں گا۔" داور نے باہر جاتے حیات کو امید کی کرن دکھائی تو حیات نے پلٹ کر اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر چومے آنکھوں سے لگائے۔
"بی بی سائیں بہت پریشان ہیں آپ کی تسلی کا ایک لفظ ان کے لیے بہت بڑا سہارا ثابت ہوگا۔" اس کے ہاتھ چھوڑ کر وہ اپنی لینڈ کروزر میں سوار ہو گیا۔
داور پریشان پریشان سا اندر آیا۔ ماہ گل نے اس کی پریشانی بھانپ لی تھی اور یقینی طور پر اس کا تعلق اس آنے والے خطرناک صورت آدمی سے تھا جس کو رخصت کر کے داور اندر آیا تھا۔
"کون تھا یہ اور کیوں آیا تھا۔" ان کا سوال بہت خطرناک تھا اگر وہ بتا دیتا تو جانے کیا ہوتا۔؟ اتنا بڑا قدم اس نے بتائے بغیر اٹھایا تھا اس وقت اس پہ فرض شناسی اور پیشے سے لگن کا بھوت سوار تھا۔ وڈیرا چنل نواز جیسے کرمنل کی بیٹی سے وہ نکاح پر آمادہ ہو گیا تھا گھر والوں، افسران اور کولیگز تک کو خبر نہیں تھی کہ چنل نواز کی گرفتاری کی خاطر وہ اتنا آگے چلا گیا ہے واپس اگر اس نے اس ناگوار بندھن کے خیال سے پیچھا چھڑانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی اور اب پرسکون پانی میں حیات پتھر پھینکنے چلا آیا تھا اپنے وڈیرے کا پیغام لے کر۔
داور کو پتا تھا کہ پولیس کسٹڈی میں ہونے کے باوجود چنل نواز کی طاقت اور اثر و رسوخ میں کمی نہیں آئی ہے۔ وہ اس کی طاقت کا ہوا کم کرنے کے لیے ہر ممکن وسائل بروئے کار لا رہا تھا۔ چنل لاک اپ میں بیٹھا کارندوں کی ڈوریاں ہلا رہا تھا۔ بس کچھ عرصہ کی بات تھی غیر ملکی مافیا نے اپنا دست شفقت چنل نواز کے سر سے ہٹا لیا تھا۔ کچھ گنے چنے جانثار رہ گئے تھے جو اب بھی اس کا ساتھ دے رہے تھے۔ اسی وجہ سے وہ اب تک جھکا نہیں تھا ورنہ اس کے جرائم کی

فہرست بہت طویل تھی۔ جس تنظیم کے لیے وہ کام کرتا رہا تھا وہ تنظیم چچل کے ذاتی خدمت گاروں کو خریدنے کی فکر میں تھی ان کے ذریعے وہ لاک اپ میں ہی اسے مروانا چاہتے تھے کیونکہ اس کے پاس تنظیم کے اہم رازوں کے ثبوت اور ایجنٹس کے ایڈریس و فون نمبر تک موجود تھے۔ وہ حیران تھے کہ چچل نے کیونکر خود کو پولیس کے حوالے کیا ہے۔ وہ ہار ماننے والا لگتا تو نہیں تھا۔ بہرحال اب وہ اسے جلد از جلد کسی بھی طریقے سے مروانا چاہتے تھے تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔

"کیا یہ شخص تمہیں کوئی دھمکی تو نہیں دے گیا ہے۔" ماہ گل نے اس کا خاموش چہرہ جانچا۔

"نہیں مما بھلا کسی میں اتنی ہمت ہے جو داور زئی یعنی آپ کے بیٹے کو دھمکی دے سکے' کس میں اتنا دم خم ہے۔" داور نے غور سے اپنے بازوؤں کو دیکھتے ہوئے کہا تو ماہ گل لمبے چوڑے کڑیل سے بیٹے کی دل ہی دل میں نظر اتارنے لگیں۔

"یہ آپی کئی روز سے نہیں آئی ہیں ذرا فون شون کر کے خیریت ہی معلوم کرلوں۔" ماں کی نظروں سے بچ کر وہ ٹیلی فون سیٹ گود میں رکھ کر صدف آپی کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

صدف اندرون لاہور کے ایک گاؤں میں بیاہی ہوئی تھی چوہدری سکندر صدف کا کلاس فیلو رہ چکا تھا۔ اس نے اپنے والدین کے توسط سے رشتہ دیا جو قبول کرلیا گیا' سکندر کے والدین جدی پشتی رئیس تھے۔ ہزاروں ایکڑ صرف اراضی تھی' باغات' حویلیاں' مکانات اس کے علاوہ تھے۔ اتنی دولت ہونے کے باوجود بھی سکندر کے خاندان والوں میں کوئی غرور اور اکڑ نہیں تھی۔ بہت ملنسار اور محبت کرنے والے لوگ تھے۔

صدف سکندر کو پسند بھی کرتا تھا اسے اس رشتے پہ کوئی اعتراض نہیں تھا۔ ان دونوں کی شادی کو چھ سال ہو چکے تھے اب تو ان کے دو پیارے پیارے بچے بھی تھے۔ تین سالہ نوبی اور [illegible] سالہ صوما گھر بھر کی جان [illegible] صدف گاؤں والی حویلی میں عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ حالانکہ بعض بدخواہوں نے کوششیں کی تھیں کہ یہ رشتہ نہ ہونے پائے۔ رحمان زئی کو انہوں نے قوم و نسل کا فتنہ کھڑا کر کے انکار کروانا چاہا تھا کہ آپ اصل اور خاص پٹھان ہیں جبکہ وہ پنجابی ہیں پر رحمان اس جھانسے میں نہیں آئے۔ انہوں نے صاف صاف کہہ دیا وہ پٹھان بعد میں ہیں مسلمان پہلے ہیں۔ سکندر بھی مسلمان ہے پھر انکار کا کیا جواز بنتا ہے۔ وقت نے ان کے اس فیصلے کو درست ثابت کیا تھا۔ صدف من چاہی بہو اور بیوی تھی۔ وہ مزے سے سسرال میں عیش کر رہی تھی۔

صدف سے بڑا ایک بھائی یاور تھا۔ اس کی شادی خاندان میں ہی ہوئی تھی۔ وہ آج کل اپنی بیوی پلوشہ کے ساتھ سعودی عرب میں نوکری کے سلسلے میں مقیم تھا۔ وقتاً" فوقتاً" وہ چکر لگاتا رہتا تھا۔ تیسرے نمبر پہ داور تھا۔ اس سے چھوٹی اور لاڈلی شاہ گل تھی جو یونیورسٹی اسٹوڈنٹ تھی۔ یہ ایک آسودہ حال اور روشن خیال گھرانہ تھا۔ داور کو پولیس جاب میں جب سے لیے بعد دیگرے کامیابیاں ملنی شروع ہوئی تھیں تب سے تمام گھر والوں نے اس پر شادی کے لیے دباؤ ڈالنا شروع کر دیا تھا۔

شاہ گل آئے دن اپنی سہیلیوں کو اسے دکھانے کے بہانے گھر پر انوائٹ کرتی رہتی تھی۔ اب تو ماہ گل نے بھی اس کا پیچھا لے لیا تھا۔ اس کی پرموشن جو ہوئی تھی۔ وہ اب ایس پی کے عہدے پر تھا۔ تعلقات اور فرائض کا دائرہ بھی وسیع ہو گیا تھا۔ ذمہ داریاں بھی بڑھ گئی تھیں۔ صدف جب بھی آتی دو تین تصویریں ساتھ لاتی جو گاؤں میں اس کی ملنے جلنے والیوں کی ہوتیں۔

"فار گاڈ سیک آپی میں نے بیویوں کا حرم نہیں بنوانا ہے جو آپ اتنی تصویریں لے آئی ہیں۔" وہ باتوں میں لگا کر انہیں چکر دے جاتا اب فون کر کے اسے علم ہوا تھا کہ وہ تو ناراض ہیں وہ ان کی منتخب کردہ لڑکیوں پر نظر جو نہیں ڈالتا تھا۔ داور نے انہیں منا لیا تھا۔ ان سے باتیں کر کے اس کا ذہن بٹ گیا تھا وہ اب قدرے

مطمئن سا تھا۔

......*

پروا اور ارم کا رزلٹ آؤٹ ہو گیا تھا' دونوں کامیاب ہو گئی تھیں۔ پروا کا اب تو لاہور جانا ناگزیر ہو چکا تھا۔ تھرڈ ایر کے ایڈمیشن فارم جمع کروانے تھے اور اس طرح کے ایک دو مسئلے تھے۔ ارم کا بھی دو بار فون آ چکا تھا کہ فارم لینے چلیں۔ حیات اسے کالج چھوڑ گیا تھا۔ ارم سخت ناراض تھی کہ وہ سیدھی کالج کیوں آ گئی۔ ضوفشاں اور حمیرہ بھی خفا تھیں کہ اس نے اتنے ماہ سے کوئی رابطہ ہی نہیں کیا۔ اس نے مشکل سے جان چھڑائی' وہیں کالج میں بیٹھ کر تینوں نے فارم فل کیے اور جمع کروا دیے۔ حیات اس کا انتظار کر رہا تھا جبکہ ارم بار بار اس سے کہہ رہی تھی کہ پانچ روز میں نئے داخل ہونے والے اسٹوڈنٹس کی لسٹ لگ جائے گی تم تب تک ادھر ہی رکو۔ اس کی ضد کے آگے وہ مجبور ہو گئی اور حیات اکیلا واپس گیا۔

وہ ارم سے فاروق کے بارے میں پوچھنے کے لیے مناسب الفاظ سوچ رہی تھی اسی اثناء میں گھر آ گیا۔ صالحہ آنٹی اور اقرا آپی سے ملتے ہی یہ بات اس کے ذہن سے نکل گئی۔ دوسرے روز ارم اسے بازار لے گئی۔ گاڑی کھڑی کر کے وہ دونوں لبرٹی کے اس جدید شاپنگ پلازہ میں گھس گئیں۔ پروا کو تو کوئی چیز نہیں خریدنی تھی ارم ہی اس کی منتیں کر کے لائی تھی بقول اس کے کہ "نیو ایڈمیشنز کے وقت بڑے زبردست لڑکے اپنی بہنوں کے ہمراہ آتے ہیں' ذرا اچھے اچھے نئے سوٹ بنا لوں' اچھا امپریشن پڑے گا۔" ارم شرارت سے بولی تھی۔

"انہوں نے تمہیں پسند کرنے تو نہیں آنا ہے۔"

پروا تلملا گئی تھی۔

"وہ نہ آئیں پر میں تو اچھے انداز میں کالج جاؤں گی' تم ذرا اٹھو میرے ساتھ چلو ناں سنا ہے بڑے اچھے سوٹ آئے ہیں۔" اس نے زبردستی پروا کو اٹھایا۔ ارم ایک ایک چیز کو گھنٹوں بحث کرنے اور دیکھنے کے بعد خریدتی جبکہ دکاندار بھی اس کے آگے بچھے جاتے تھے۔

کپڑوں کی دکان سے نکل کر ارم شو مارکیٹ میں گھس گئی۔ پروا نے اپنے لیے بھی نازک اور اسٹائلش چپل دیکھ لی' کالی پتلی ڈوریوں والی چپل اس کے سفید پاؤں میں بہت سج رہی تھی۔ پھر ارم جانے کیا کیا الم غلم خریدتی رہی وہ صبر سے اس کا ساتھ دیتی رہی۔ خدا خدا کر کے اس کی شاپنگ مکمل ہوئی دونوں بھرے ہوئے شاپرز اس نے گاڑی کی بیک سیٹ پر ڈالے' تب ہی پروا کو یاد آیا کہ اس کی جوتی وہیں دکان میں رہ گئی ہے جہاں سے اس نے خریدی تھی۔

"ارم میرے ساتھ چلو شاپر دکان میں رہ گیا ہے۔"

وہ پریشان سی تھی۔

"میری پیاری دوست میری ٹانگوں نے چلنے سے انکار کر دیا ہے خود ہی لے آؤ اپن کے اندر ہمت نہیں ہے۔" اس نے صاف انکار کر دیا۔

"آئندہ مجھے شاپنگ پر چلنے کے لیے کہا تو دیکھنا میری جوتی جائے گی تمہارے ساتھ۔" پروا نے دانت کچکچائے پر ارم پر اثر نہیں ہوا۔ کیسٹ پلیئر آن کر کے گاڑی کی بیک سے سر ٹکا کر وہ موسیقی سے لطف اندوز ہونے لگی۔ پروا کا جی چاہا کوئی بھاری سی چیز اس کے سر میں دے مارے' وہ تو جگہ سے ہلنے والی نہیں لگ رہی تھی وہ اکیلی ہی واپس ہوئی کیونکہ وہ خوبصورت اور منفرد ڈیزائن والی جوتی اس نے ایک دکان کے علاوہ کہیں نہیں دیکھی تھی۔ جب وہ اس دکان پر پہنچی تو معلوم ہوا کہ جوتوں والا شاپر تو کوئی اٹھا کر لے گیا ہے۔ بے شمار خریدار ہوتے تھے مفت میں ہاتھ لگی چیز کسے بری لگتی ہے کوئی جوتے اٹھا کر چلتا بنا تھا۔ اب صرف اس ڈیزائن کی ایک جوڑی رہ گئی تھی وہ بھی شوکیس میں سجی ہوئی تھی۔

"پلیز مجھے وہ والا جوتا دے دیں۔" وہ شوکیس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی تو دکاندار معمولی سی پس و پیش کے بعد مان گیا۔ اتنے میں اور گاہک آ گئے وہ انہیں جوتے دکھانے میں مصروف ہو گیا پروا کو دیر ہو رہی تھی۔

"دیکھیں مجھے دے دیں ناں دیر ہو رہی ہے مجھے۔"

وہ ساتھ ساتھ گھڑی بھی دیکھ رہی تھی۔

"ذرا ٹھہریں ڈبے میں پیک کر کے دیتا ہوں۔"
دکاندار پھر مزید آنے والے کسٹمرز کی طرف متوجہ ہو گیا تھا تو ناچار وہ یونہی جوتے اٹھائے نکل آئی پیچھے دکاندار "ارے ارے رکیے تو" کی صدا لگاتا ہی رہ گیا۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں اتر رہی تھی' جب اچانک ہی دو لمبے لمبے بالوں والے لڑکے سامنے آ گئے۔

"ارے دیکھو تو سنڈریلا ہاتھوں میں جوتے اٹھائے گھوم رہی ہے۔" ایک نے دوسرے کو اس کی طرف متوجہ کیا وہ ان کی بات پر مطلق دھیان دیے بغیر آگے ہوئی جونہی وہ فٹ پاتھ سے اتر کر سڑک کراس کرنے لگی ایک جیپ سے اس کی ٹکر ہوتے ہوتے بچی۔ جوتے اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر سڑک پر جا گرے۔ جیپ والا رک گیا تھا' دروازہ کھلا اور وہ نیچے اترا پروا نے جیپ کی سرکاری نمبر پلیٹ دیکھ لی تھی یہ پولیس جیپ تھی' اس نے قانون کے اس اندھے محافظ کو کھری کھری سنانے کا فیصلہ کر لیا۔

"آئی ایم سوری مس۔" پروا نے شائستگی سے معذرت کرتے شخص کی آواز پر نگاہ اٹھائی تو حیرت کے سینکڑوں پہاڑ ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے سر پر آ گرے یہ تو فاروق تھا اسے اپنی بصارت پر دھوکا ہوا اس نے دوبارہ پوری آنکھیں کھول کر دیکھا وہ سو فی صد فاروق تھا۔ پولیس کی وردی میں اس نے اس کی یونیفارم شرٹ پر لگے بیج کو پڑھا۔ ایس پی داور زئی اسپیشل پولیس ڈپارٹمنٹ۔

"یہ لیں۔" اس نے سڑک پر پڑے جوتے پروا کی طرف بڑھائے جو عجیب کیفیت میں تھی۔

"تت تت تم فاروق ہو ناں۔" اس نے احمقانہ سوال کیا۔

"نہیں میں داور زئی ہوں۔" اسے حیران چھوڑ کر وہ جیپ میں سوار ہو گیا۔ وہ اسی کیفیت میں گاڑی تک پہنچی تھی۔

"کہیں کسی نے جادو تو نہیں کر دیا ہے۔" ارم نے اس کی حیرت سے پھیلی آنکھوں کے سامنے ہاتھ ہلایا تو وہ ہڑبڑا کر اپنے حواسوں میں لوٹی۔

فاروق' میں نے ابھی ابھی اس کا ہم شکل دیکھا ہے پولیس یونیفارم میں' پر وہ فاروق سے بہت مشابہ تھا۔ آنکھیں' بال' چہرا' رنگ' قد' آواز' سب کچھ فاروق کی مانند تھا۔" اس نے اپنے تئیں ارم کو سرپرائز دیا تھا اس نے خاص دلچسپی نہیں لی۔ گھر آ کر بھی اس نے سب کو یہ خبر سنائی پر کسی نے کوئی نوٹس ہی نہیں لیا۔

پروا کو یوں لگا جیسے وہ اس سے کچھ چھپا رہے ہیں یا دانستہ ایسا کر رہے ہیں۔ لاکھ وہ سب سے بے تکلف سہی پر گھر کا فرد تو نہیں تھی جو کسی سے باز پرس کرتی' ناچار خاموش ہو گئی۔

کامیاب طالبات کی لسٹ لگ گئی تھی۔ اس میں ارم اور پروا دونوں کا نام شامل تھا۔ فیس جمع کراتے ہی پروا نے حیات کو فون کر دیا کیونکہ کلاسز دو تین ہفتے بعد شروع ہو رہی تھیں۔ اس دوران بابا سائیں نے اسے امتحانات کی کامیابی پر بذریعہ فون مبارک باد دی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ شاید وہ اس کے داخلہ لینے پر ناراض ہوں یا روک دیں پر ایسا کچھ نہیں ہوا۔ اس کے دلی اطمینان کے لیے یہی کافی تھا۔

اس پولیس آفیسر اور فاروق کی حیرت انگیز مشابہت نے بھی اسے پریشان کر رکھا تھا۔ حیات نے اس سے کہا تھا کہ وہ کل اسے لینے آئے گا اور ساتھ ہی اپنے چند کام بھی نمٹا لے گا۔

رات وہ اور ارم دونوں لان میں ٹہل رہی تھیں جب کریم کلر کی ہنڈا سوک گیٹ سے اندر آئی اور اس میں سے فاروق اترا اس نے بے حد قیمتی کپڑے اور جوتے پہنے ہوئے تھے۔ کلائی میں خوبصورت رسٹ واچ بندھی ہوئی تھی۔ بالوں کا اسٹائل بھی مکمل طور پر بدل چکا تھا۔ حسان اس کی گاڑی کی آواز سن کر نکل آیا تھا۔

"بڑے دنوں بعد چکر لگایا ہے۔" وہ اس سے بغل گیر ہوا۔

"بس آفیشل کاموں میں بزی تھا۔" اس نے بتایا اس دوران ارم بھی پروا کو لیے اس کے قریب پہنچ چکی تھی۔ پروا کی پھر وہی حالت ہو گئی تھی جیسے اسے کچھ سمجھ نہ آ رہا ہو' وہ تینوں اس کی اس کیفیت سے لطف

...اور رہے تھے۔
"یہ یہ۔" اس کی پھنسی پھنسی آواز نکلی تو
...ے حسان سے قہقہہ روکنا مشکل ہو گیا۔
...ی یہ داور زئی ہیں اسپیشل پولیس ڈپارٹمنٹ
...تے ہیں۔" انہوں نے بتایا۔
"ہیلو کیسی ہیں آپ۔" داور متبسم لہجے میں بولا تو
...ے کوئی جواب ہی نہ بن پڑا۔
"فاروق ان کا جڑواں بھائی تھا۔" اس نے احمقانہ
...کیا تو اب کے حسان اپنا قہقہہ نہ روک سکے۔
...ں نے اسے یوں دیکھا جیسے اس سے بڑا بے وقوف
...میں کوئی نہ ہو۔ اس کی حالت پہ رحم کھاتے ہوئے
...وں نے بتایا کہ داور ان کا دوست ہے۔ دونوں
...والوں کے قریبی تعلقات بھی تھے۔ سی ایس ایس
...ں ایک ساتھ اپیر ہونے کے بعد داور نے پولیس
...وس جوائن کرلی چونکہ ساجد سابق چیف کمشنر رہ
...چکے تھے اس لیے حسان کو اس سروس میں زیادہ چارم
...وس ہوتا تھا۔ وہ اس شعبے کی طرف آگیا۔
داور کو سکھر سے واپسی پر سابقہ صلاحیتوں اور
...وں کے پیش نظر ایک مشکل اور اہم کیس سونپا
...یا وہ اس کیس کا انچارج بھی تھا۔ قصہ کچھ یوں تھا کہ
...قیمتی ہیرے اور نوادرات جن کی حیثیت تاریخی
...کی باہر اسمگل کرنے کا منصوبہ تھا اس کے پیچھے ایک
...بین الاقوامی گروہ تھا۔ جب پولیس ڈپارٹمنٹ میں اوپر
...سے نیچے تک ہلچل مچی تو اس گروہ نے خود سے توجہ
...ہٹانے کے لیے انڈر گراؤنڈ ہونے کا فیصلہ کیا اس کے
...لیے انہوں نے شہر کے گنجان اور معزز علاقے کو منتخب
...کیا۔ اس طرح کسی کو ان پر شک بھی نہ ہوتا اور وہ اپنا
...مشن بھی مکمل کر لیتے جس بنگلے میں انہوں نے رہائش
...اختیار کی وہ ایک سابق صوبائی وزیر کا بنگلہ تھا جو انہوں
...نے ایک پارٹی کے ہاتھ فروخت کردیا اس پارٹی سے
...انہوں نے یہ بنگلہ کرائے پر لیا اب یہ اتفاق کی بات
...تھی کہ یہ بنگلہ ساجد صاحب کے بنگلے سے ملا ہوا تھا۔
داور اور اس کے محکمے کے دوسرے آدمی شروع
...سے ہی بہت چوکنا تھے انہیں علم ہو گیا تھا کہ اس گروہ
...نے یہاں رہائش اختیار کی ہے۔ حسان اور ساجد انکل

سے مشورہ کرنے کے بعد وہ نوکر کے روپ میں ان کے گھر شفٹ ہو گیا اس طرح وہ بہتر طریقے سے ساتھ والوں کی نقل و حمل پر نظر رکھ سکتا تھا۔ خود کو شک سے بری کرنے کے لیے اس نے ڈرائیور کا روپ دھارا تھا۔ ساجد انکل اور حسان کو بوقت ضرورت کہیں بھی لے جاتا۔ ادھر ادھر کے معمولی کام بھی نمٹا دیتا۔ صالحہ آنٹی شرمندگی ظاہر کرتیں تو وہ کہتا کہ یہ میں اپنی ذات سے شک رفع کرنے کے لیے کر رہا ہوں کیونکہ ان اسمگلرز نے بھی کوئی کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں صالحہ آنٹی کے گھر والوں نے اسے نگرانی کرنے کی ہر ممکن سہولت فراہم کی رات کو سب جلد سو جاتے، لائٹس بند کر دیتے اور وہ اطمینان سے اپنا کام کرتا پھر کرکٹ بال ادھر گرنے اور لے کر آنے کی وجہ سے اس کی دعا سلام شیر خان سے ہو گئی جو بظاہر چوکیداری کے فرائض سرانجام دے رہا تھا۔ در حقیقت اسمگلرز کا اہم کارندہ تھا۔ داور نے اسے شیشے میں اتار لیا تھا۔

شیر خان کو بھی فاروق نامی یہ ملازم باتوں سے کام کا آدمی لگا۔ اس نے باس سے کہا کہ اگر ہم اس کو گروہ میں شامل کرلیں تو یہ ہمارے بہت کام آسکتا ہے۔ شیر خان اسے اپنے باس سے ملوایا اس نے داور کو آفر کی کہ تم ہمارے ڈرائیور بن جاؤ ہم تمہیں زیادہ تنخواہ دیں گے۔ وہ کچھ دیر سوچنے کی اداکاری کرتے ہوئے راضی ہو گیا۔ ابتدا میں اس پر کڑی نظر رکھی گئی۔ پھر آہستہ آہستہ اس نے سب کا اعتبار حاصل کرلیا۔ اب وہ ان کے نوادرات اسمگل کرنے کے طریقے سے آگاہ ہونا چاہتا تھا۔

داور کے پاس تمام ثبوت جمع ہو چکے تھے۔ "پلان فائل" پہلے ہی اس کے قبضے میں آچکی تھی۔ اب اس گروہ پر ہاتھ ڈالنے کا مناسب وقت تھا۔ اس نے یہ کیس بخوبی کامیابی سے نمٹا لیا تھا اور آج کل افسران سے داد وصول کرتا پھر رہا تھا۔

پروا کو اب یاد آیا کہ وہ اسے اتنا پراسرار کیوں لگتا تھا۔ اسے بے پناہ شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ اس سے زر خرید ملازم کی طرح پیش آئی تھی اور اس

کے پیشہ وارانہ فرائض میں مخل ہوتی تھی۔ اس روز دوپہر کو بنگلے پر دو نہایت اہم افراد آئے تھے جو اس گروہ کا بنیادی ستون شمار ہوتے تھے۔ ذرا دیر کے لیے وہ صحن میں رکے تھے' داور ان کی تصویریں بنا رہا تھا۔ جب وہ اچانک اس کے سر پر آپہنچی تھی۔ اس وقت غفلت کا مطلب تھا اپنے کیے کرائے پر آپ پانی پھیرنا اگر انہیں ذرا بھی بھنک مل جاتی کہ کوئی سامنے والی کھڑکی سے ان کی نگرانی کر رہا ہے تو وہ ہر ثبوت ضائع کر دیتے اسی وجہ سے داور نے سختی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا تھا کیونکہ اس کے سوال جواب ختم ہونے میں ہی نہیں آتے تھے۔ داور کی اس حرکت پر پروا کی آنکھوں سے کئی خوف بیک وقت جھانکنے لگے تھے۔ پر اس نے پروا نہیں کی وہ کسی قسم کا بھی خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

پروا نے قدم قدم پہ ملازم کی حیثیت سے اس کی توہین کی تھی۔ کئی بار گھر والوں کو غصہ آیا اور انہوں نے داور کی اصل حیثیت بتانی چاہی پر اس نے سختی سے رازداری کی تلقین کی اور اس کے اعتراض پر انیکسی میں منتقل ہو گیا۔ وہ اس کے تمام کام سعادت مند ملازم کی طرح کرتا تھا۔

حسان اور داور اندر چلے گئے تھے کچھ دیر بعد ارم بھی چلی گئی۔ پروا خود میں حوصلہ نہیں پا رہی تھی کہ داور کا سامنا کر سکے۔ اقرا آپی ہی اسے زبردستی اندر لے کر آئیں وہ کونے میں پڑے صوفے پر بیٹھ گئی۔ وہ داور کو دیکھ سکتی تھی پر وہ اسے نہیں دیکھ سکتا تھا ہتھیلی کے کٹوروں میں چہرا ٹکائے وہ نامحسوس انداز میں اس کا جائزہ لینے لگی۔ وہ گرے کلر کے کلف لگے کرتہ شلوار میں ملبوس ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے حسان سے گفتگو میں مصروف تھا۔ اقرا آپی اس کے آگے سے اٹھیں تو وہ براہ راست اس کی نگاہوں کی گرفت میں آگئی۔ حسان اور وہ دونوں اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ وہ بے چینی سی محسوس کرنے لگی تھی۔

"تھوڑی بے وقوف ہے ارم کی یہ فرینڈ۔" داور آہستگی سے حسان سے مخاطب ہوا۔

"تھوڑی نہیں بہت زیادہ کہو۔" حسان نے درستگی کی۔

"ٹھنڈی سی لگتی ہے۔" داور کی نگاہوں میں اس کا گزشتہ رویہ لہرایا۔

"ہوں۔" حسان نے ہنکارا بھرنے پر اکتفا کیا اور اٹھ کر باہر نکل گیا۔ اقرا اور صالحہ پہلے ہی کچن میں تھیں ارم کچھ دیر پہلے اٹھ کر گئی تھی۔

"نوکروں کو ڈانٹ ڈپٹ کرنے کے علاوہ آپ کے کیا مشاغل ہیں۔" وہ اس کی طرف متوجہ ہوا تو شرمندگی کے مارے اس کا سر اور جھک گیا۔

"میں پڑھتی ہوں۔" وہ بمشکل بولی۔

"اچھا۔۔۔ اچھا۔" اس نے سر ہلایا۔

"آگے کیا ارادے ہیں آپ کے۔" اس نے پوچھا۔

"یہ حسان بھائی نہیں آئے میں دیکھتی ہوں۔" بہانہ بناتی باہر نکل آئی دل چاہ رہا تھا کہ وہ اسی طرح چھوٹے چھوٹے سوال پوچھتا رہے پر شرمندگی کے مارے ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی۔

ارم کے گھر سے لوٹتے ہوئے واپسی پہ اس کا دل ہمیشہ سے زیادہ اداس تھا اس کا سبب وہ جان چکی تھی۔ پرانا فاروق اور موجودہ داور اسے عجیب احساس میں ڈال گیا تھا وہ اس کے بارے میں سوچنا نہیں چاہتی تھی خود کو بے بس پاتی تھی سارے ہتھیار لڑے بغیر ہی چھوڑ آئی تھی۔

۔۔۔۔*

میں نے خواب آنچل میں باندھ لیے
دھنک کی ست رنگ بانہوں میں
سنہری خواہشوں کے کنگن پہن کر
سپنوں کی رہ گزر
تیرا ہاتھ تھام لیا

صالحہ نے حسان کی بات پر ٹائر ڈ بریگیڈیر سجاد رانا کی بیٹی ثانیہ سے طے کر دی تھی۔ حسان بھی خوش تھا ثانیہ اس کی چاہت تھی گھر والے پوچھے بغیر ہی اس کی بات جان گئے تھے۔ ایک ڈیڑھ ماہ کے اندر ہی شادی کا پروگرام تھا ارم کی زبانی اسے تمام حالات کا علم تھا۔ ارم بہت خوش تھی یہ ان کے گھر کی پہلی اور بڑی خوشی

تھی حسان بھائی کی شادی کی تیاریوں میں وہ پیش پیش تھی۔ فارغ پیریڈز میں وہ پروا ضوفشاں اور حمیرہ کے ساتھ کپڑے، جوتے اور جیولری فائنل کرتی۔

بس آج کل اس کی گفتگو اس قسم کی ہوتی تھی پروا کو بھی حسان بھائی کی شادی کا اشتیاق تھا وہ باقاعدہ طور پر کبھی کسی شادی کی تقریب میں نہیں گئی تھی کوئی بھائی تھا نہ بہن، رہ گئے رشتہ دار تو ان کے ہاں بابا سائیں کہاں جانے دیتے تھے اسے تو کسی رشتے دار کا نام تک نہیں معلوم تھا۔ اس لیے یہ فارغ اوقات کی یہ دلچسپیاں اسے بہت پرجوش بنا رہی تھیں۔

ارم کی زبانی ہی اسے علم ہوا کہ صالحہ آنٹی نے اس کے لیے چار سوٹ بنائے ہیں اقرا ارم اور پروا تینوں کے سوٹ انہوں نے خود خریدے تھے۔ پروا تو اتنی چاہت پہ شرمندہ ہوئی جا رہی تھی۔ اس نے سکھر حیات کو فون کیا اور کہا کہ مجھے بابا سائیں کا فون نمبر دو تاکہ میں ان سے پوچھ سکوں کہ حسان بھائی کی شادی میں کیا تحفہ دیا جائے۔؟ اس سے پہلے کہ وہ نمبر بتاتا لائن ہی کٹ گئی۔ البتہ دوسرے روز وہ ہوسٹل کے "وزیٹرز روم" میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔

"سلام بی بی سائیں۔" اس کی آمد پہ وہ ہاتھ جوڑ کر اٹھا۔

"میں تم سے بابا سائیں کا نمبر پوچھ رہی تھی کہ لائن ہی ڈس کنیکٹ ہو گئی۔" اس نے بتایا۔

"بی بی سائیں وہ امریکہ سے ہالینڈ چلے گئے ہیں کل خود ہی ان کا فون آگیا۔ مجھے موقعہ ہی نہیں ملا کہ ان کا نمبر پوچھتا ہاں انہوں نے کہا کہ حسان سائیں کی شادی پر کوئی اچھا سا تحفہ دے دیں یہ میں رقم ساتھ لایا ہوں۔" حیات نے موٹا سا خاکی لفافہ اس کی طرف بڑھایا۔

پروا نے کھول کر دیکھا اندر ہزار ہزار کے نوٹوں کی چار موٹی گڈیاں تھیں۔

"بی بی سائیں وڈیرا سائیں کہہ رہے تھے کہ آپ کالج سے چھٹی لے کر حسان سائیں کے ہاں رکیں۔" حیات نے مزید بتایا تو اس کی آنکھیں خوشی سے دمکنے لگیں۔

اقرا آپی اور ارم کے ساتھ مل کر اس نے حسان بھائی اور ثانیہ بھابھی کے لیے گفٹ خریدا حسان بھائی کے لیے اس نے ہیرے کی نفیس سی ٹائی پن خریدی اور ثانیہ بھابھی کے لیے قیمتی نگینوں والا سونے کا بریسلٹ لیا۔ ساجد انکل اور صالحہ آنٹی ناراض ہو رہے تھے کہ تمہیں ضرورت کیا تھی اتنے قیمتی گفٹس لینے کی، حسان بھائی بھی خفا ہو رہے تھے۔ اس نے شادی میں شرکت نہ کرنے کی دھمکی دے کر انہیں منا لیا تھا۔ پروا نے ارم اور آپی کے لیے بھی ایک مہنگے فیشن بوتیک سے سوٹ لیے تھے۔ وہ سب اس کے بے غرض خلوص کے آگے شرمندہ ہوئے جا رہے تھے۔

حسان بھائی کی شادی سے ایک ہفتہ قبل پروا نے کالج سے چھٹی لے لی، ارم تو پہلے ہی چھٹیوں پر تھی۔ شام کو ضوفشاں اور حمیرا بھی آجاتیں تو خوب رنگ جمتا۔ پروا نے ثانیہ بھابھی کی مایوں پر انہیں پہلی بار دیکھا۔ شرمیلی اور دلکش سی ثانیہ بھابھی اسے بہت اچھی لگی تھیں۔ وجیہ و شکیل سے حسان بھائی کے ساتھ وہ خوب سوٹ کر رہی تھیں لگ رہا تھا کہ دونوں ایک دوسرے کے لیے ہی بنائے گئے ہیں۔

جس روز لڑکے والے مہندی لے کر آرہے تھے۔ ہارون وغیرہ نے دوستوں کے ساتھ مل کر موسیقی کا پروگرام ارینج کیا۔ اتنے مہمان آئے تھے کہ ہر طرف لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر نظر آرہا تھا۔ ساجد صاحب کا وسیع حلقہ احباب تھا پھر لڑکی والوں کے ساتھ آئے ہوئے مہمان بھی تھے۔ صالحہ کے رشتہ دار تھے۔ اقرا، ہارون، ارم اور حسان کے دوست تھے۔ مہمانوں کی زیادہ تعداد کے پیش نظر ساتھ والا بنگلہ بھی کرائے پر بک کرا لیا گیا تھا۔ حالانکہ اقرا نے کہا تھا کہ کسی اچھے سے ہوٹل میں تمام فنکشنز کر لیتے ہیں۔ ساجد اور صالحہ پرانے وقتوں کے لوگ تھے پھر حسان کے دادی، دادا اس کے حق میں نہیں تھے کہ شادی ہوٹل میں ہو اس لیے تمام تقریبات کا اہتمام گھر پر ہی کیا گیا تھا۔ دوسرے بنگلے کی وجہ سے خاصی سہولت ہو گئی تھی۔ اس طرف کا لان ہی اتنا بڑا تھا کہ تمام

URDU PHOTO

مہمان سما سکتے تھے۔ اس لیے بارون دوستوں اور کزنز کے ساتھ ادھر لان میں ہی آرائشی اسٹیج بنا رہا تھا۔

ارم اور اقرا تو پہچانی ہی نہیں جا رہی تھیں دونوں عام حالت میں بھی اچھی لگتی تھیں آج اور بھی غضب ڈھا رہی تھیں۔ پروا نے بوتل گرین لانگ شرٹ اور ہمرنگ کلدار شرارہ پہنا ہوا تھا۔ ارم کا بھی یہی ڈیزائن تھا بس اس کے کپڑوں کا رنگ مختلف تھا۔ اقرا آپی نے فل سلیوز والا پورا بلاؤز اور ریڈ کلر کی ساڑھی باندھی تھی۔ آج انہوں نے بال کھلے چھوڑ کر موتیے کے گجرے پہنے ہوئے تھے۔ کندن کے بھاری سیٹ اور ہلکے ہلکے میک اپ میں وہ بہت دلربا لگ رہی تھیں۔ پروا نے بے اختیار ان کا گال چوما تو وہ جھینپ گئی تھیں۔ سرخ سرخ سی اقرا آپی اس سے اسے بہت اچھی لگیں اور اس کے دل سے آواز ابھری کاش میرا کوئی بھائی ہوتا تو میں آپی کو بھابھی بنا لیتی۔

لڑکی والوں کی آمد پر گلاب کی پتیاں نچھاور کی گئیں۔ پھر پروا نے دیکھا کہ وہ دشمن جاں داور بھی آیا ہوا ہے۔ اس کے ساتھ ایک گریس فل سی خاتون اور دو پیاری پیاری لڑکیاں بھی تھیں۔ ارم اور صالحہ انہیں خصوصی توجہ دے رہی تھیں۔ پروا از خود جان گئی کہ یہ خاتون داور کی امی اور لڑکیاں اس کی بہنیں ہیں۔

شاہ گل ارم کے ساتھ ساتھ رہی پروا نے عادت کے مطابق اس سے بہت کم بات چیت کی۔ نئے ملنے جلنے والوں سے وہ آہستہ آہستہ ہی بے تکلف ہوتی تھی جبکہ ارم میں یہ خوبی تھی کہ وہ پہلی ملاقات میں ہی بے تکلف ہو جاتی تھی۔ داور کی بہنوں سے وہ ویسے بھی فری تھی۔ صدف اقرا کے ساتھ تھی جبکہ شاہ گل نے ارم کو گھیرا ہوا تھا۔ پروا یکایک خود کو تنہا تنہا محسوس کرنے لگی۔ ضوفشاں اور حمیرا ابھی تو ابھی تک نہیں پہنچی تھیں۔

وہ سوئمنگ پول کے پاس کھڑی ہو کر جلتی بجھتی روشنیوں کا عکس دیکھنے لگی۔ جب آہستگی سے کوئی اور بھی اس کے نزدیک آ کر ٹھہرا، وہ گھومی یہ داور تھا۔ اسے حیرت ہوئی وہ یہاں کیوں آیا ہے۔

"آپ اکیلی یہاں کیا کر رہی ہیں۔" وہ اس کے سجل مکھڑے کو نگاہوں کی گرفت میں لیتے ہوئے بولا تو پروا کو اس کے حوالے سے تمام بے بسی اور بے کلی یاد آ گئی۔ جس کا وہ پل پل مقابلہ کرتی رہی تھی۔ تب ہی تو وہ اکھڑے اکھڑے انداز میں بولی تھی۔

"میری مرضی میں اکیلی کچھ کروں یا دوسروں کے ساتھ مل کر۔" اسے یوں لگا جیسے وہ مسکرایا ہو۔

"ابھی تک وہ شاہانہ خو بو نہیں گئی۔" وہ اسے چھیڑ بیٹھا تو وہ خاموش ہی رہی۔

"دیکھیں آپ جائیں یہاں سے۔" داور کو اس کے انداز سے حیرت سی ہوئی وہ بہت بدلی بدلی لگ رہی تھی۔

"کوئی حکم نہیں دیں گی، کوئی آرڈر نہیں جاری کریں گی۔" وہ شرارت سے بولا تو وہ بھڑک اٹھی۔

"مانا کہ میں کچھ کم عقل ہوں پر میں ہرگز اپنا مذاق اڑانے کی اجازت نہیں دوں گی میں آپ کو کیوں حکم دینے لگی آپ میرے ذاتی ملازم نہیں ہیں۔" وہ ایک ایک لفظ پہ زور دیتے ہوئے بولی۔

"پر اگر کوئی یہ چاہے کہ آپ پہلے کی طرح ہی اسے حکم دیں تو پھر۔۔۔۔" داور کا لہجہ بدل گیا تھا۔

"تو کیوں۔" وہ پہلی بار بوکھلائی۔

"بتا دوں۔" وہ بولا تو پروا عجیب سا محسوس کرنے لگی۔

"آپ ایسی مشکل میں مجھے ڈال گئی ہیں کہ نکلنے کی کوئی صورت ہی نظر نہیں آتی۔" وہ بے بسی سے بازو پہ مکا مارتے ہوئے بولا تو پروا حیران رہ گئی۔ نہ جانے کیوں وہ وہاں سے بھاگ گئی۔

حسان کی سالیاں اسے مہندی لگا کر بٹھیں تو پروا اور ارم آگے بڑھیں۔ پہلے ارم نے بھائی کا منہ میٹھا کیا، مہندی لگائی اور بھی رقم نکلوائی۔ پروا نے ایک ساتھ تین لڈو شرارت سے حسان بھائی کے منہ میں ٹھونس دیے وہ احتجاج کرنا چاہتے تھے لیکن ان سے بولا ہی نہیں جا رہا تھا۔ لڈوؤں کے تھال کی طرف پروا کا دوبارہ بڑھتا ہاتھ داور نے عین کلائی سے تھام لیا تھا۔

"ہم بھی آپ کے حسان بھائی کے کچھ لگتے ہیں

کچھ نظرِ کرم ادھر بھی۔" وہ اسی طرح اس کی کلائی پکڑے پکڑے بولا۔ پیچھے سے حسان کے بے تکلف دوست نے اس جی داری پہ داور کی پیٹھ ٹھونکی۔

"شاباش پولیس کی کارکردگی یہاں بھی نظر آنی چاہیے۔"

"پری داور بھائی کو لڈو کھلا کے جان چھڑاؤ۔" ارم اس کی روہانسی صورت دیکھتے ہوئے بولی۔

"خوب پریوں نے زمین پر اب لڈو کھلانے کی ڈیوٹی سنبھال لی ہے۔" کوئی منچلا بولا تو ایک قہقہہ پڑا۔ پروا نے ناچار تھال سے لڈو اٹھا کر داور کے منہ کی طرف بڑھایا پیچھے سے ارم کی کزنز نے موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لڈو داور کے منہ میں ٹھونسنے چاہے پر وہ پہلے سے ہی ہوشیار تھا بچ گیا البتہ حسان کی خوب درگت بنی لڑکی والوں کو بھی انہوں نے خوب زچ کیا۔

پروا سب سے زیادہ خوش تھی اسے علم ہی نہیں تھا کہ زندگی اتنی رنگین اور ہنگامہ پرور بھی ہو سکتی ہے یوں لگ رہا تھا کہ دنیا میں ہر سو بس خوشی ہی خوشی ہے۔ قدرت نے اس کے ارد گرد خوشیوں اور آسودگیوں کا جالا سا تان دیا ہے جہاں سے کوئی غم اسے چھو بھی نہیں سکے گا۔

پروا کو احساس ہوا کہ وہ کسی کی گرم نگاہوں کے حصار میں ہے نظریں اٹھانے پہ وہ دھک سے رہ گئی داور بڑی وارفتگی سے اسے دیکھے جا رہا تھا سامنے ہی تو وہ تھا۔ پروا نے رخ موڑ لیا، پر بے سود وہ ہر زاویئے سے اس کے سامنے تھی۔

پروا اٹھ کر پیچھے چلی گئی جہاں سے داور اسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

۔۔۔۔*

سنہری روپہلے
پلیٹے کی کلیوں سے گندھے
رستے ان چھوئے
آگہی سے ہٹ کے
ناداں آنکھوں نے
دیکھے ہیں بے حساب
ان خوابوں کا کوئی انت نہیں

URDU PHOTO

زمین سے افق تک
ازل سے ابد تک
جاں سے سانس تک
آس سے یاس تک
ہجر سے وصل تک
خواب سے اصل تک
میں نے خواب دیکھے ہیں
میں نے خواب دیکھے ہیں

حسان کے ولیمے کے روز وہ کمرے میں مٹھائی کے ڈبے رکھنے جا رہی تھی کہ دروازے پر داور نے روک لیا اسے کسی کا خوف نہ تھا کہ کوئی بھی ادھر آ سکتا ہے۔

"مجھ سے اتنا چھپ کیوں رہی ہیں مت میرے اوپر یوں ظلم ڈھائیں۔" لمبا چوڑا سا داور اس وقت بہت بے بس لگ رہا تھا۔

"مجھے کیا ضرورت ہے آپ سے چھپنے کی میں کوئی چور ہوں۔" وہ چمک کر بولی۔

"چور ہی تو ہو تم پری میری نیندیں، میرا چین تک چرا لیا ہے اب انجان بن رہی ہو کیا میری زبان سے سننا چاہتی ہو کہ داور زئی تمہاری محبت میں مبتلا ہو گیا ہے۔" اس نے صاف صاف کہہ ڈالا پروا کی نگاہیں جھک گئیں۔

"پلیز کچھ تو کہو۔" داور نے کمال بہادری سے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے اپنی طرف موڑا تو پروا کو گویا کرنٹ سا لگا۔

"چھوڑیں مجھے۔" اس نے داور کے ہاتھ اپنے شانے سے ہٹانے چاہے۔

"یوں نہیں پہلے مجھے بتاؤ میں تمہیں کیسا لگتا ہوں۔" وہ ضدی لہجے میں بولا۔

"اچھے لگتے ہیں۔" اس نے کسی کے آجانے کے خوف سے جلدی سے کہہ ڈالا۔ "صرف اچھا" داور نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تو وہ نظریں چرا گئی اس کے ماتھے پہ پسینے کے ننھے ننھے قطرے چمک اٹھے تھے۔ داور کو جواب مل گیا تھا اسے بھرپور نظروں سے دیکھتے ہوئے اس کے شانوں سے اس نے ہاتھ ہٹا لیے تمام مراحل ایک پل میں طے ہو گئے تھے۔

......*

ماسی خیرن نے اسے بتایا کہ آپ کا ملاقاتی آیا ہے۔

پروا کو خیال آیا کہ حیات ہوگا شاید بابا سائیں کا کوئی پیغام لایا ہو' پاؤں میں جوتے پھنساتے ہوئے دوپٹہ ہاتھوں میں لیے اس نے وزیٹرز روم کی طرف دوڑ لگائی داور کمرے کے درمیان میں کھڑا تھا وہ پوری رفتاری سے بھاگتی آئی تھی۔ حیات کی جگہ اسے دیکھ کر وہ اس حلیے پر شرمندہ سی لگ رہی تھی۔ ہاتھوں میں دوپٹہ اور اٹکے جوتے پہنے ہوئے پھولی پھولی سانسوں سمیت داور کو وہ بڑی انوکھی لگ رہی تھی۔

"تو یہ اتنی بے قراری ویسے اپنے لیے مجھے یہ بے قراری اچھی لگی ہے۔" وہ اسے گہری نگاہوں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"کیوں آئے ہیں۔" اس نے پوچھا۔

"تمہیں دیکھنے۔" وہ جھٹ بولا۔

"سنو کل ڈھائی بجے تیار رہنا میں تمہیں لینے آؤں گا۔"

"کیوں۔" وہ ہونق پنے سے بولی۔

"بابا تم سے باتیں کروں گا' اچھی طرح دیکھوں گا' اتنے دن ہو گئے ہیں تمہیں دل میں اتارے۔" وہ گہرے لہجے میں بولا تو پروا کا رنگ سرخ ہو گیا۔

"پر وہ وارڈن۔" وہ کمزور لہجے میں بولی۔

"ان سے بھی اجازت لے لوں گا اگر انہوں نے کل تمہیں روکا یا پوچھ گچھ کی تو بات کرنا۔"

"آپ یہیں بات کر لیں ناں جو کرنی ہے۔" وہ رخ موڑے موڑے بولی۔

"یہاں نہیں کر سکتا ناں۔" وہ زچ ہو گیا۔

"بہرحال کل تیار رہنا میں ڈھائی بجے آؤں گا۔" وہ اسے یاد دہانی کروا کر چلا گیا۔ کوئی اندر سے کہہ رہا تھا یہ سب ٹھیک نہیں ہے۔ دل نے ساری ہدایات کو پس پشت ڈال دیا تھا ابھی تو اس نے سپنوں کی رہ گزر پر پہلا قدم رکھا تھا۔

......*

دوسرے روز وہ مقررہ وقت پر اسے لینے آ گیا وہ چپ چاپ گاڑی میں بیٹھ گئی۔ وہ رخ موڑے کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی داور چند منٹ تو خاموش رہا پھر درختوں سے گھری خالی سڑک پر گاڑی روک دی۔

"اگر ایسی ہی بے اعتباری تھی تو منع کر دیتیں میں تمہیں لینے نہیں آتا۔" وہ رخ موڑے بیٹھی پروا کی طرف گھوما وہ خاموش رہی تو داور نے گاڑی واپس موڑ لی اور اسے ہوسٹل کے گیٹ پر اتار کر چلا گیا اب پروا کو احساس ہوا کہ اس نے داور کو ناراض کر دیا ہے۔

یونہی دو تین دن گزرے تو یہ احساس اور بھی بڑھ گیا ارم بھی کالج نہیں آ رہی تھی اس کے پاس کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ وہ داور سے رابطہ کر کے اس کی ناراضگی دور کرتی۔ ارم سے اپنے احساسات شیئر کرنا اسے مناسب نہیں لگا تھا۔ تمیر اور ضوفشاں سے وہ یہ بات کہنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ کیا کرے؟ اسی سوچ نے اسے اداس کر دیا۔

ادھر داور پروا کی اس بے اعتباری پر سلگ رہا تھا کیا وہ اسے اتنا غلط آدمی سمجھتی ہے جیسے وہ اسے کھا جائے گا تب ہی تو رخ موڑ کر بیٹھی تھی۔ وہ اس سے شدید ناراض تھا۔ اس ناراضگی میں وہ آئی جی ڈی آئی جی اور ڈی ایس پی کے ساتھ ہونے والی میٹنگ میں بھی دماغی طور پر غیر حاضر رہا تھا۔ داور نے اپنے ضلعے کا ریکارڈ بھی تھکے تھکے انداز میں پیش کیا تو اعلیٰ افسران چونک گئے۔

"کیوں جوان تھک گئے ہو اس ڈیوٹی سے۔" آئی جی طاہر بیگ نے شگفتہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا تو وہ الرٹ ہو گیا۔

"نہیں سر ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بس کچھ غیر سرکاری مسائل ہیں۔" اس نے یقین دلانے والے انداز میں کہا۔

"میرا خیال ہے کہ کچھ دنوں کے لیے چھٹی کر لو کئی ماہ سے تم مسلسل مختلف کیسز پر کام کر رہے ہو۔ اسپیشل پولیس ڈیپارٹمنٹس کی ڈیوٹیز بھی خاصی ٹف ہوتی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ تمہارے ذہن پہ کام کا بہت زیادہ بر ڈن ہے۔ چھٹی کرو اور کچھ روز کے لیے ہر سرکاری مصروفیت بھول جاؤ۔"

ڈی آئی جی صالح مرزا نے ہمدردانہ نگاہوں سے

اسے دیکھا تو آئی جی اور ڈی ایس پی نے بھی ان کی تائید کی یوں اسے چھٹی مل گئی پر اس فارغ وقت میں وہ اور بھی شدت سے یاد آنے لگی وہ حسان کی طرف چلا گیا کہ شاید وہ آئی ہو مگر وہ وہاں نہیں تھی ارم بھی اپنی پھوپھو کی طرف گئی ہوئی تھی۔ وہ بجھے بجھے دل سے لوٹ آیا پہلا تجربہ ہی تلخ ثابت ہوا تھا کوئی لڑکی اسے اس حد تک اچھی نہیں لگی تھی یہاں تک کہ وڈیرا بچل نواز کی بیٹی بھی جسے اس کا سودے کے بدلے نکاح ہوا تھا اس تعلق نے اس کے اندر کوئی جذبہ نہیں جگایا تھا، کوئی آگ نہیں بھڑکائی تھی بلکہ وہ تو سب کچھ فراموش کر کے پروا کی طرف بڑھا تھا یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کا انجام خطرناک ہوگا اگر وڈیرے کے کارندوں کو خبر ہو جاتی کہ وہ کیا سوچ رہا ہے تو وڈیرا یقیناً" اس کی موت کے آرڈرز جاری کر دیتا وہ ایک خطرناک آگ میں کود پڑا تھا یہ تو طے تھا جو بھی اس آگ کے نزدیک آتا اسے لازمی طور پر جل جانا تھا۔

شروع شروع میں پروا کا حاکمانہ رویہ اسے بہت برا لگتا تھا اور ایک سہ پہر اس نے جب اس کے کمرے میں آکر اسے جگایا تو داور کو علم ہوا کہ وہ بہت معصوم لڑکی ہے۔ اس میں عام لڑکیوں والی چالاکی اور ہوشیاری نہیں تھی جس طرح سے وہ اسے حکم دیتی تھی ایسے تو وہ اپنے ماتحتوں کو بھی نہیں دیتا تھا۔ اسے علم تھا کہ وہ اسے خطرناک اور پراسرار آدمی سمجھتی ہے۔ اس کی تمام جاسوسیوں کی اسے خبر تھی جان کر اس کے منہ سے ذومعنی فقرے پھسل جاتے اور جب وہ اس کی جرات پر غصہ ہوتی بھڑک اٹھتی تو داور کو بڑا لطف آتا۔

اس دوپہر جب وہ کھڑکی میں کھڑا تھا تو وہ اچانک ہی آئی تھی۔ داور کی اس حرکت پر اس کی آنکھوں سے پہلی بار خوف جھانکا تھا، بے اختیاری لہرائی تھی اور جب وہ روتے ہوئے سیڑھیاں اتری تھی تو داور کا بھی بے اختیار چاہا کہ اسے اصل بات بتائے اس گستاخی کا، اپنی زندگی کا سب بتائے پر عقل آڑے آگئی تھی پھر دو دن بعد ... گئی تھی۔

اس تمام ... کے اس کی سوچوں پر قابض رہی تھی اور جب سڑک پر داور کا اس سے سامنا ہوا تو اس کی حیرت دیکھ کر وہ بہت محظوظ ہوا پھر حسان نے اس کی اصلیت کا بتایا تو وہ کتنی شرمندہ ہوئی تھی اور جب داور کے کھلے اظہار پر اس کی پلکیں جھکی تھیں تو اس کا دل کتنا بے ایمان ہو گیا تھا۔

......*

ارم پورے ایک ہفتے بعد آئی تھی پروا کو دیکھ کر وہ حیران رہ گئی تھی۔ اترا اترا چہرہ اور مرجھائی رنگت یہ پہلے والی پروا تو نہیں لگ رہی تھی۔ ارم اسے ساتھ لے آئی تھی جہاں اس کے گھر سے پروا نے داور کے ذاتی، گھریلو اور آفس کے فون نمبرز نوٹ کر لیے تھے کسی حد تک اس کی تسلی ہو گئی تھی اب اسے فون کرنے کا مسئلہ تھا۔

دوسرے روز اس نے کلرک کے آفس سے اس کے گھر فون کیا تو کسی عورت نے اٹھایا اس نے بند کر دیا اس وقت تو یقیناً" وہ اپنے آفس میں ہوتا ہوگا اس سوچ کے تحت اس نے داور کے آفس کا نمبر ڈائل کیا جو سب انسپکٹر خالد درانی نے ریسیو کیا اس نے بتایا کہ ایس پی داور زئی چھٹیوں پر ہیں۔ کلرک اسے مشکوک نگاہوں سے دیکھ رہا تھا کیونکہ پروا کے چہرے سے پریشانی صاف محسوس کی جا سکتی تھی۔ تیسری بار اس نے داور کا ذاتی نمبر ڈائل کیا اس نے ہی ریسیو کیا۔

"ہیلو داور زئی اسپیکنگ۔" وہ اپنے مخصوص رعبدار لہجے میں بولا۔

"ہیلو میں پروا بول رہی ہوں۔" دوسری طرف اس کی آواز سنتے ہی پروا کا لہجہ بھرا گیا تھا۔ داور نے لائن منقطع کر دی وہ بھی کچھ کم انا پرست نہیں تھا دوسرے روز پھر پروا نے فون کیا موبائل فون کی بیل بج رہی تھی پر کوئی اسے آن نہیں کر رہا تھا وہ سمجھ گئی کہ وہ جان کر ایسا کر رہا ہے پر اس نے کوئی قیامت تو نہیں ڈھا دی تھی جو وہ یوں کر رہا تھا۔ پروا اس کی ناراضگی کے خیال سے پریشان ہو گئی تھی وہ لیے اور کہاں اسے منا بھی فون بھی نہیں کر سکتی تھی، کلرک خوامخواہ اسے مشکوک نظروں سے دیکھتا تھا۔

اس روز صبح ارم نے اسے بتایا تھا کہ داور بھائی کی

URDU PHOTO

فیملی ان کے گھر ڈنر پر انوائیٹڈ ہے۔ اس نے خود ہی ارم سے کہا کہ وہ اس کے گھر جائے گی ارم خوش ہو گئی تھی۔ ثانیہ کافی روز میکے رہنے کے بعد آئی تھی اس نے بھی پروا کو دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا۔

وہ لوگ آ گئے تھے پروا ساری شام اقرا کے ہمراہ کچن میں گھسی رہی تھی۔ گو چھوٹے موٹے کاموں میں تجربہ اور مہارت نہ ہوتے ہوئے بھی حتی الامکان ان کی مدد کروانے کی کوشش کی تھی۔ ظاہر ہے کہ رزلٹ اچھا نہیں رہا تھا پر اقرا نے اس کی دل شکنی کے خوف سے اسے روکا نہیں تھا بعد میں انہوں نے زبردستی اسے کچن سے نکالا اور کہا کہ ڈرائنگ روم میں مہمانوں کے پاس جاؤ' وہ مرے مرے قدموں سے اندر آئی تھی۔

شادی کے ہنگامے میں ماہ گل اور شاہ گل اچھی طرح اس کا جائزہ نہ لے سکی تھیں۔ پھر پروا نے خود بھی بے تکلف ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ماہ گل اور شاہ گل نے آج اسے غور سے دیکھا تھا انہیں وہ بہت اچھی لگی تھی دونوں نے اسے اپنے درمیان بٹھا لیا تھا۔ داور پر ابھی تک اس کی نظر نہیں پڑی تھی۔ پر اس نے اچھی طرح اس کا جائزہ لے ڈالا تھا لگ رہا تھا کہ اس کی ناراضگی نے بہت برا اثر ڈالا ہے کیونکہ پہلے کی نسبت وہ کھلی کھلی نہیں لگ رہی تھی۔

دونوں ماں بیٹی کو کھوئی کھوئی سادہ سی پروا بہت اچھی لگی تھی۔ پروا کچھ دیر بیٹھنے کے بعد اٹھ آئی اسے رونا آ رہا تھا آنسو چھپانے کے لیے وہ چھت پر چلی آئی' داور بھی بہانہ بنا کر اٹھ آیا۔ اسے معلوم تھا وہ چھت پر ہی ہوگی اور واقعی وہ وہیں تھی آہٹ سے وہ جان گئی تھی کہ وہی ہوگا۔ آنسوؤں کے ریلے پر اس نے بمشکل بند باندھا وہ آگے بڑھ آیا تھا۔ پروا پیچھے جانا چاہتی تھی آگے وہ چٹان کی طرح ایستادہ تھا وہی خوف اس پہ حملہ آور ہوا اگر کوئی چھت پر آ گیا تو..... وہ سہم سی گئی۔

"آگے سے ہٹیں مجھے جانے دیں۔" اس نے آنکھوں کو زور زور سے رگڑا۔ وہ آگے سے ہٹ گیا۔

"اس خوش فہمی میں مت رہنا کہ میں تمہیں دیکھنے آیا ہوں۔" ناراضگی کی کو لوز اس نے اپنے پیچھے سنی تو کسی کے اوپر آ جانے کا خوف اس کے اندر ہی کہیں کنڈلی مار کر بیٹھ گیا وہ پلٹ آئی۔

"کیوں مجھے سزا دے رہے ہیں۔ کتنی بار مشکل سے آپ کا نمبر ملایا پر آپ تو میری آواز سنتے ہی فون بند کر دیتے تھے معاف کر دیں مجھ سے ناراض مت ہوں یہ میری برداشت سے باہر ہے۔" اس نے ہاتھ جوڑ دیے لہجہ پھر بھر آ گیا داور کو ترس آ گیا۔

"اگر میری ناراضگی برداشت نہیں کر سکتیں تو مجھے ناراض کرنے والی بات کیوں کرتی ہو۔"

"آئی سویئر آئندہ نہیں کروں گی۔" وہ جلدی سے بولی۔

"وعدہ۔" داور نے اپنا ہاتھ اس کے سامنے کیا تو وہ بولی۔

"وعدہ۔"

"ابھی تو کہہ رہی تھیں کہ ناراض کرنے والی بات نہیں کروں گی پر اتنی جلدی ہی اپنی بات کو جھٹلا دیا۔"

"کیا کیا ہے میں نے۔" وہ پریشان ہو گئی۔

"اب تم میرا دماغ خراب کر رہی ہو۔" وہ آہستہ سے بولا تو وہ الجھی نظروں سے اسے دیکھنے لگی داور کی آنکھوں میں شرارت رقصاں تھی۔

"میں جاؤں۔" وہ ہاتھ مروڑ رہی تھی۔

"ابھی نظریں سیراب نہیں ہوئی ہے۔" داور کا لہجہ بھاری ہو گیا تو وہ گھبرا گئی۔

"نیچے سب مجھے ڈھونڈ رہے ہوں گے پلیز مجھے جانے دیں۔" وہ لجاجت سے بولی تو وہ آگے سے ہٹ گیا' جاتے جاتے اس نے پروا کو یاد دلایا کہ کل وہ اسے لینے آ رہا ہے۔

--*

دوسرے روز وہ اسے لے گیا تھا۔ راستے میں اس نے بتایا کہ وہ اسے گھر لے جا رہا ہے۔ مما اور شاہ گل سے ملوانے۔

"مگر میں کل ہی تو ان سے ملی ہوں۔" وہ گھبرا گئی تھی۔

"کل کسی اور طریقے سے ملی تھیں آج کسی اور طریقے سے ملواؤں گا۔" وہ معنی خیز لہجے میں بولا وہ دعا

کر رہی تھی کہ کاش آج داور اسے گھر نہ لے جائے شاید اس کی دعا میں اثر نہیں تھا جب ہی تو اس وقت اس کے ڈرائنگ روم میں بیٹھی تھی۔ داور اپنی ممی اور بہن کو بلوانے گیا ہوا تھا پر وہ دونوں کچھ دیر پہلے ہی صدف کی طرف نکلی تھیں اس کے گھر تیسرے بچے کی ولادت آج ہی متوقع تھی اکرم نے اسے بتایا تھا کہ بیگم صاحبہ کا حکم ہے آپ بھی کل گاؤں تشریف لے آئیں۔ اس نے یہ سب جب پروا کو بتایا تو وہ ہلکی پھلکی ہو گئی۔ اتنی جلدی وہ اس کی مما اور بہن کا سامنا اس حیثیت میں نہیں کر سکتی تھی۔

داور نے اسے پورا گھر دکھایا اور آخر میں اپنے بیڈ روم میں لایا۔

"تم بیٹھو میں ملازم کو آرڈر دے کر آتا ہوں مہمان کی خاطر مدارات کے لیے کچھ تیار کرے اتنا اہم مہمان آیا ہے۔ تم تب تک موسیقی سے دل بہلاؤ۔" اس نے سامنے پڑے ڈیک کی طرف اشارہ کیا اور چلا گیا وہ کمرے کا جائزہ لینے لگی اتنے میں وہ لوٹ آیا۔

"ارے میں نے کہا تھا کہ موسیقی سے دل بہلاؤ خیر۔"

وہ اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"کتنا اچھا لگ رہا ہے ناں یوں بس میں اور تم ہیں تم کچھ بولو تو میں ترس گیا ہوں تمہاری زبان سے کوئی پیار بھری بات سننے کے لیے۔"

"میں کیا بات کروں۔" وہ کارپٹ کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"اچھا میری طرف دیکھ ہی لو اتنی بری شکل نہیں ہے میری۔" وہ اٹھ کر اس کے برابر بیٹھ گیا۔

"اچھا میری دلہن بنو گی۔" اس نے ایک مشکل سوال کر دیا پروا کی نظر پیر کے ناخنوں پر ٹک گئی۔

"پری کیوں میرا امتحان لے رہی ہو کیوں میرے ضبط کو آزما رہی ہو۔" وہ جھنجلا گیا۔

"میں ممی سے بات کروں گا پھر وہ تمہارے گھر آئیں گی تمہارے گھر والوں سے بات کرنے کیونکہ تمہیں آنا تو یہیں ہے [illegible] لیے میرے پاس میری [illegible] کیا تو وہ کسی خواب سے

چونکی یہ وہ کیا کہہ رہا تھا بھلا یہ کیسے ہو سکتا تھا۔ بابا سائیں اس کی جلد شادی کی فکر میں تھے اور یہ داور اسے کون سی دنیا میں لیے جا رہا تھا جہاں سے واپسی کا راستہ نہیں تھا یہ انجانے میں وہ کیا کر بیٹھی تھی۔ کیوں اسے سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی حوصلے دلائے تھے کہ وہ اس کی ہمراہی کے خواب دیکھنے لگا تھا۔

اس کا موڈ اچانک بدل گیا تھا داور بھی حیران تھا کہ یکایک وہ سرد کیوں ہو گئی ہے۔

"پری میری محبت کا اظہار میرا والہانہ پن تم سے برداشت نہیں ہوتا ہے ناں اس لیے گھبرا جاتی ہو پر کیا کیا جائے تمہیں اس پاگل سے داور کے ساتھ ہی گزارا کرنا ہو گا کیوں منظور ہے ناں۔" اس نے جھٹ نتیجہ بھی اخذ کر ڈالا تھا اور اظہار بھی کر دیا تھا۔

"میں جا رہی ہوں۔" وہ اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھی۔

"یار تم تو مائنڈ کر گئی ہو چلو آئندہ ایسی باتیں نہیں کروں گا۔" وہ معصوم سی شکل بنا کر بولا تو پروا کا دل پگھل گیا ایسی شدت اس نے کہاں دیکھی تھی۔

*_*_*

رات اس نے بابا سائیں کو خواب میں دیکھا تھا وہ ایک پنجرے میں بند ہیں اور پنجرے کے باہر لاتعداد گدھ منڈلا رہے ہیں۔ وہ بے نام سے وسوسوں میں گھر گئی تھی۔ صبح سب سے پہلا کام اس نے یہ کیا کہ چھٹی کی درخواست لکھی اور حیات کو فون کیا کہ وہ آرہی ہے۔ وہ اس کی اس طرح آمد پر حیران تھا۔ پروا نے سارا خواب اسے سنایا تو وہ اسے تسلی دینے لگا۔ ویسے یہ بات بھی تھی کہ حیات سے ملنے کے بعد وہ ذرا بہل گئی تھی۔ حیات بچپن سے اس حویلی میں پلا بڑھا تھا' وڈیرا سائیں کا وہ چہیتا تھا۔ سنا تھا کہ اس کے والدین خاندانی دشمنی میں مارے گئے تھے۔ بابا سائیں ترس کھا کر اسے ساتھ لے آئے تھے۔ وہ سات سال کا تھا جب حویلی آیا تھا اب تو اسے چوبیس سال حویلی کے گرم و سرد دیکھتے ہوئے ہو گئے تھے۔

وہ وڈیرا سائیں کے جرائم میں کبھی شریک نہیں ہوا اس کی حیثیت ایک طرح سے حویلی کے محافظ کی

سی تھی۔ بچل نواز اس پہ بہت اعتبار کرتا تھا اس کی غیر موجودگی میں حیات ہی حویلی کے جملہ اختیارات کا مالک ہوتا پروا بھی اس کی حیثیت سے واقف تھی سب سے دلچسپ بات یہ تھی کہ حیات کو عورت ذات سے دلچسپی نہیں تھی حالانکہ حویلی کے تمام مرد ملازم اور حیات کے دوست کسی نہ کسی حیثیت سے عورتوں سے وابستہ تھے۔

حیات کی عمر اکتیس بتیس سال کے قریب ہو گئی تھی پر اس نے ابھی تک شادی کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ بچل نواز نے کتنی بار کہا تھا جس لڑکی کی طرف اشارہ کرو گے وہ تمہاری ہو جائے گی۔ اس نے شائستگی سے ان کی پیش کش کو ٹھکرا دیا تھا۔ پروا کا خیال تھا کہ وہ محبت میں ناکامی کا زخم کھائے ہوئے ہے۔

۔۔۔۔*

"ممی میرا خیال ہے کہ ساجد انکل کے گھر جا کر بات پکی کر آتے ہیں۔" صدف اور شاہ گل نے رائے دی۔

"ٹھیک ہے کل چلتے ہیں مجھے تو اس لڑکے نے عاجز کر رکھا ہے۔" ماہ گل بولیں۔

"ممی ارم کی دوست دیکھی تھی آپ نے، کتنی پیاری ہے۔" شاہ گل بولی تو وہ سوچوں میں کھو گئیں۔

"ہاں مجھے وہ بچی بڑی اچھی لگی ہے پر ہم اشارے کنائے میں اقرا کے لیے نہ کہہ چکے ہوتے تو یقیناً میں اسے ہی داور کے لیے چنتی۔" انہوں نے ٹھنڈی سانس بھری۔

دوسرے روز وہ ساجد صاحب کے گھر چلی گئیں اور باقاعدہ طور پر اقرا کو بہو بنانے کی خواہش کا اظہار کیا صالحہ نے رسمی طور پر سوچنے کی اجازت مانگی۔ آکر انہوں نے داور کو بتایا تو وہ ہتھے سے اکھڑ گیا۔

"مجھ سے پوچھ نہیں سکتی تھیں آپ، مر تو نہیں گیا تھا میں۔" وہ بالکل ہی آؤٹ ہو گیا۔

"تو مریں تمہارے دشمن، کیوں بدفالیں منہ سے نکال رہے ہو۔" ماہ گل دہل گئیں۔

"ممامما یہ آپ نے ... کیا ہے۔" اس نے دیوار پر مکا مارا اور باہر نکل گیا۔

"آپی میرا خیال ہے کہ بھائی کسی اور کے ساتھ کمٹمنٹ کر چکے ہیں تب ہی اتنا غصہ آیا ہوا ہے اب کیا ہو گا۔" وہ پریشان ہو گئی۔ صدف کے چہرے پر بھی سوچ کی پرچھائیاں تھیں۔

دوسرے روز صالحہ کا فون آگیا کہ ہمیں داور کا پروپوزل منظور ہے۔ ماہ گل نے شوہر کو تمام صورت حال بتائی تو انہوں نے کہا کہ اب ہم زبان دے چکے ہیں جا کر رسم کر آئیں۔ وہ خاندان کی دوسری عورتوں کے ساتھ صالحہ کے گھر چلی گئیں۔

۔۔۔۔*

حیات آج داور سے فائنل بات چیت کرنے آیا تھا۔ وڈیرا سائیں کا پیغام اسے علی ڈنو کے توسط سے ملا تھا۔ داور گھر پر نہیں تھا البتہ ان کی ادھیڑ عمر ملازمہ نے بتایا کہ وہ داور کے سسرال رسم کرنے گئی ہیں۔ وہ الٹے قدموں لوٹا تھا۔ لینڈ کروزر اتنی تیز رفتاری سے چل رہی تھی کہ کئی دفعہ اس کی ٹکر ہوتے ہوتے بچی تھی اسے کل وڈیرا سائیں کو رپورٹ دینی تھی انہیں سی آئی اے کے جنرل ہیڈ کوارٹر میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ بڑے پارٹ بیلنے کے بعد بچل نواز کی اس سے مختصر سی بات چیت ہوئی اپنے مالک کی ہدایات کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے بعد وہ واپس ہوا۔

داور دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھا ہوا تھا ممی رسم کر آئی تھیں وہ خود کو تین لڑکیوں کا مجرم سمجھ رہا تھا ایک جو سکھر میں اس کی منکوحہ کے نام سے بیٹھی تھی دوسری اقرا اور تیسری پروا اس کا خواب، اس کی چاہت، پسند جس کے ساتھ کے اس نے خواب دیکھنے شروع کیے تھے۔ رحمان صاحب نے صاف صاف کہہ دیا تھا میاں صاحبزادے شادی تمہاری اقرا سے ہی ہو گی یہ خوابوں وغیرہ کو ذہن سے جھٹک دو۔

۔۔۔۔*

ارم کا فون آیا تھا۔

"تم تو حویلی جا کر چپک ہی گئی ہو واپس آؤ تو ایک زبردست سی نیوز سنانی ہوں۔ اقرا آپی کی بات طے ہو گئی ہے، کس کے ساتھ طے ہوئی ہے۔ واپسی پر بتاؤں گی۔"

URDU PHOTO

اس نے تجسس برقرار رکھا۔
"ارم ابھی بتا دو ناں۔" اس سے رہا نہیں جا رہا تھا۔
"نہیں بھئی یہ تو سرپرائز ہے۔" اس نے انکار کر دیا۔
پر وہ اسے رہا نہیں گیا اس نے داور کے آفس فون کر دیا معلوم ہوا کہ وہ آئی جی کی طرف گئے ہیں۔ اس نے مایوسی سے ریسیور رکھ دیا۔
"پتا نہیں اس سفر کا کیا اختتام ہوتا ہے۔" وہ گھٹنوں پر تھوڑی رکھے سوچ رہی تھی۔ اس نے داور کے خیال سے پیچھا چھڑانے کی بہت کوشش کی تھی اور پہلے مرحلے پر ہی ناکام ہو گئی تھی، بے اختیار ہو گئی تھی۔
ابھی تک اس نے اپنے نکاح والی بات داور سے چھپائی ہوئی تھی اگر وہ بتا دیتی تو جانے اس کا کیا ری ایکشن ہوتا۔؟

۔۔*

داور تھوڑا سا کھانا کھانے کے بعد ٹیبل سے اٹھ گیا تھا۔ ماہ گل اور رحمان ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے اس کا رویہ وہ خوب جان گئے تھے شاید اس کا خیال تھا کہ اس طرح وہ اپنی بات منوانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ وہ بستر پہ جوتوں سمیت لیٹا چھت کو گھورے جا رہا تھا اگر پری کو خبر ہو جائے کہ اس نے ایک لڑکی سے نکاح کیا ہوا ہے اور ادھر گھر والے اس کے لیے ایک اور لڑکی پسند کر آئے ہیں تو اس معصوم سی لڑکی کا دل یقیناً ٹوٹ جاتا۔
"کیوں نہ حسان سے مل کر میں ساری بات اسے بتا دوں وہ اپنے گھر والوں کو کنونس کر لے گا اور پچل نواز کی صاحبزادی کو طلاق دے دوں، پتا نہیں یہ طریقہ مناسب ہے یا نہیں پری کو علم ہوا تو وہ شاید زمین آسمان ایک کر دے اوہ میرے خدا میں کیا کروں۔"
اس نے تکیہ اٹھا کر آنکھوں پر رکھ لیا۔
وہ اس سے ملنے گیا تو وارڈن سے معلوم ہوا کہ وہ اپنے گاؤں گئی ہوئی ہے تو پری کا فون نمبر بھی معلوم نہیں تھا اور پری کے گھر والوں سے اس کا نمبر مانگنا موجودہ صورتحال میں ناممکن تھا۔ اسے اب صبر سے اس کی واپسی کا انتظار کرنا تھا یہ خیال تو ابھی اس کے ذہن میں آیا ہی نہیں کہ وہ پری کا نمبر کالج ریکارڈز سے بھی معلوم کر سکتا ہے۔ سچ ہے پریشانی میں انسان کو سامنے کی بات بھی نہیں پتہ چلتی۔

۔۔*

"اقرا کچھ دیر اور رک جاؤ فراز بھائی آتے ہی ہوں گے تمہیں چھوڑ آئیں گے۔" عروب نے اسے روکنا چاہا۔ اقرا صبح سے اس کی طرف آئی ہوئی تھی عروب نے ہی کہا تھا کہ تمہیں ڈراپ کرنے کی ذمہ داری میری ہے۔
عروب کے فراز بھائی کی آمد کا کچھ پتا نہ تھا اوپر سے مغرب کا وقت ہو رہا تھا گھر سے دوبار صالحہ کا فون آچکا تھا کہ کسی طرح بھی آؤ تمہاری ہونے والی ساس اور نندیں آئی ہوئی ہیں کتنی بار تمہارا پوچھ چکی ہیں۔
حسان بھائی تو خیر ڈیوٹی پر تھے ہارون تو رہتا ہی غائب تھا ورنہ وہ ان میں سے ہی کسی کو بھیج دیتی۔ بمشکل عروب سے وہ اجازت لے کر نکلی ابھی وہ سڑک پر کھڑی کسی رکشے اور ٹیکسی کی تلاش میں نظریں دوڑا رہی تھی کہ مغرب کی اذان ہونے لگی یہ ایک نسبتاً سنسان سی سڑک تھی اس وقت تو ٹریفک کا زور ویسے بھی یہاں کم ہو جاتا تھا اسے محسوس ہوا کہ جیسے عروب کی بات نہ مان کر اس نے غلطی کی ہے۔ رفتہ رفتہ اندھیرا بڑھنے لگا تھا وہ دل میں پریشان ہو کر آیت الکرسی کا ورد کر رہی تھی جب وہ تاریک شیشوں والی پجارو اس کے عین نزدیک آکر رکی دروازہ کھلا اور اس میں سے گن بردار باہر نکلا وہ پیچھے ہٹنے کا ارادہ کر ہی رہی تھی کہ اسی گن بردار کے پیچھے سے ایک اور شخص باہر نکلا اور اس کے منہ کو ہاتھوں سے دبا کر گاڑی کے کھلے دروازے سے اندر دھکیلنے لگا اقرا کے حواس مختل ہوتے گئے۔ رہی سہی کسر کلوروفارم میں بھیگے اس رومال نے پوری کر دی جو اس کی ناک پر رکھا گیا تھا۔
حیات نے احتیاط سے اس کا سر اور اوپری دھڑ اپنے شانے سے اٹھا کر سیٹ پر ڈالا جو بے ہوشی کے دوران

اس کے اوپر آگرا تھا۔

زندگی میں پہلی بار اس نے وڈیرا سائیں کے حکم پر کوئی غیر قانونی کام کیا تھا ورنہ اس سے پہلے اس کے ہاتھ صاف تھے۔ بچل نواز نے کہا۔

"میرے جانثاروں کی تعداد دن بدن گھٹتی جا رہی ہے میں صرف تم پر ہی اعتبار کر سکتا ہوں اس لیے تمہیں ہی کہہ رہا ہوں داور میری بیٹی کا حق ہے' ان لوگوں کو بتا دو بچل نواز کیا سلوک کرتا ہے ان کے ساتھ جو اس کے حق پہ ڈاکا ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں داور سائیں کا وقت ابھی نہیں آیا بس تم جاؤ صرف علی ڈنو کو لے کر جانا اس لڑکی کو جب لے آؤ تو علی ڈنو جیسا کہے وہی کرنا۔"

حیات نے اس بے ہوش لڑکی کو ڈیرے پر منتقل کر دیا تھا دو گھنٹے بعد علی ڈنو مولوی نعمت بخش کو لے کر آیا۔

"بابا اس شہزادی کو ہوش میں لاؤ مولوی صاحب زیادہ دیر انتظار نہیں کر سکتے۔" وہ مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے بولا تو حیات الجھتا ہوا اندر چلا آیا وہ پہلے ہی اٹھ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اقرا کے سر میں دھماکے سے ہو رہے تھے ایک بے وزنی کی کیفیت تھی کچھ عقل میں نہیں آ رہا تھا کیا ہو رہا ہے اور کیوں ہو رہا ہے یہ لوگ کون ہیں جو اسے اس طرح اٹھا کر لائے ہیں ایک رعب دار کرخت نقوش والے آدمی کو وہ اندر آتے دیکھ کر سنبھل کر کھڑی ہو گئی گرتی ہوئی حوصلوں کی دیوار کو تو تھامنا ہی تھا۔

"شکر ہے آپ کو ہوش آ گیا۔" وہ گہری سانس بھر کر بولا اسے اس ستم رسیدہ لڑکی پر ترس سا آ گیا جو کچھ دیر بعد علی ڈنو کی بھینٹ چڑھنے والی تھی کیونکہ وہ اپنی اس حرکت کو شرعی قرار دینے کے لیے مولوی کو بھی لے آیا تھا وہ انہی قدموں واپس آیا۔

"وہ ہوش میں ہے۔" مختصراً کہہ کر وہ علی ڈنو کے پاس بیٹھ گیا۔

"بچل تو بھی اندر آ۔" علی ڈنو نے پہرا دیتے بچل کو ہانک لگائی وہ اپنی گن سنبھالتا چلا آیا۔

"مولوی صاحب شروع کریں دولہا بیٹھا ہوا ہے ویسے آپ نے فارم تو پہلے ہی پر کر لیے ہوں گے اب تو سائن کرنے کی رسمی سی کارروائی کرنا ہے کیوں حیات یہ ٹھیک ہے ناں۔" وہ مسکراتا ہوا اس کی طرف مڑا۔

"وڈیرا سائیں کا حکم ہے کہ حیات تمہیں اس مغویہ لڑکی سے شادی کرنی ہے۔" علی ڈنو نے جیسے اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ انڈیلا سائن کرنے اور مولوی نعمت بخش کے جانے کے بعد بھی حیات وہیں بیٹھا رہا۔

"ڈنو یہ سب غلط ہے۔" اس کا ضمیر گوارا نہیں کر رہا تھا۔

"ایک تو یہ پڑھے لکھے لوگوں کے ساتھ بڑی خرابی ہوتی ہے ہر بات میں غلط اور ٹھیک کے چکروں میں پڑ جاتے ہیں۔" ڈنو نے اسے ملامت کرتی نگاہوں سے گھورا۔

"ڈنو یہ شادی گن پوائنٹ پر ہوئی ہے۔"

"بابا کون سے گن پوائنٹ پر' بچل میں یا تم کون اس کی کنپٹی پر ریوالور رکھ کر کھڑا تھا کوئی بھی تو نہیں۔" وہ طنزیہ ہنسا۔

"تم نہیں جان سکو گے ڈنو اغوا شدہ لڑکی کی مجبوریاں بھی تو گن پوائنٹ ہی ہوتی ہیں۔" وہ تھکے تھکے انداز میں بولا تو ڈنو نے ہاتھ اٹھا دیئے۔

"بس کرو یہ کتابی باتیں زہر لگتی ہیں مجھے' ان کتابی اقوال نے کیا دیا ہے ہمیں بابا یہ حرف ہمیں روٹی نہیں دے سکتے۔ بیماری میں دوا نہیں دے سکتے۔ کیا دیا ہے مجھے ماسٹرز میں اکنامکس کی ڈگری نے۔" ڈنو تلخی سے ہنسا تو اسے رہا نہیں گیا۔

"اپنی ناکامی کا الزام تعلیم کو مت دو۔" حیات نے اسے ٹوکا۔

"اچھا نہیں دیتے تم تو یہاں سے ہٹو تمہاری نئی نویلی دولہن انتظار کر رہی ہوگی تمہارا۔" اس نے بیباکی سے حیات کو آنکھ ماری۔

حیات کو پہلی بار آج وڈیرا سائیں کے اس عمل سے اختلاف ہوا تھا۔ روتی ہوئی اقرا کو دیکھ کر یہ احساس اور بھی شدید ہوتا جا رہا تھا وہ ہارے ہوئے جواری کی طرح ننگے فرش پر بیٹھی گھٹ گھٹ کر رو رہی

URDU PHOTO

تھی۔

"دیکھیے خدارا چپ کر جائیں مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا ہے۔" وہ گھٹنوں کے بل اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"تمہیں کیا خبر میں کیوں رو رہی ہوں۔ جن کے زیاں ہوتے ہیں وہی روتے ہیں تم تو نہیں رو رہے ہو کیونکہ تمہارا کوئی نقصان نہیں ہوا ہے مجھے تو یہ بھی علم نہیں ہے کہ مجھے کس جرم کی سزا ملی ہے تمہیں معلوم ہے میرے گھر والوں پر کیا قیامت گزر رہی ہوگی۔ دور ہو جاؤ میری نظروں سے چلے جاؤ یہاں سے تمہیں اپنی ماں کا واسطہ۔" اقرا چیخ پڑی۔ دل پہ شدید بوجھ لیے وہ اٹھ آیا۔ علی ڈنو جا چکا تھا بگل اسی طرح گن لیے باہر گیٹ پر ٹہل رہا تھا۔

۔۔*

"خدارا میری بچی کو کہیں سے لے آئیں کل صبح گئی تھی اور آج تو رات کے دس بھی بج گئے ہیں عروب کا گھر اتنا دور تو نہیں ہے۔" صالحہ پہ عجیب ہذیانی کیفیت طاری تھی کل تمام رات کوئی بھی نہیں سو سکا تھا صالحہ نے مغرب کے بعد پھر عروب کے گھر فون کیا اس نے کہا کہ کافی دیر ہو گئی ہے اقرا کو گئے ہوئے۔ اس وقت تک داور کے گھر والے چلے گئے تھے انہوں نے پھر فون کیا اور ہارون کو بھی دوڑایا رات کے آٹھ بج رہے تھے اب تو عروب بھی پریشان ہو گئی۔ ہارون بھی مایوس واپس آیا تمام رات تینوں باپ بیٹے اقرا کی تلاش میں ہر ممکن جگہ گئے بدنامی کے ڈر سے وہ تھانے بھی نہیں جا سکتے تھے خود ہی کوششیں کر رہے تھے۔

حسان اس معاملے میں اپنے اثر و رسوخ سے کام لے رہا تھا اور آج رات کے دس بج گئے تھے اقرا کا کہیں بھی نام و نشان نہ تھا صالحہ کی حالت بہت خراب تھی وہ بار بار بے ہوش ہو رہی تھیں ثانیہ ہی انہیں سنبھال رہی [illegible] تو خود ہی بے حوصلہ ہو رہی تھی ساجد صاحب چپ چپ تھے بدنامی کا خوف کسی بھوت کی طرح ان کے اعصاب کو جکڑے جا رہا تھا نہ جانے کیا ہونے والا تھا چند روز بعد ہی تو اقرا اور داور کی منگنی کی رسم ہونے والی تھی کل ماہ گل اسی سلسلے میں اقرا کے کپڑوں اور جوتے کا ناپ لینے آئی تھیں۔

۔۔*

فون کی بیل مسلسل بج رہی تھی شاہ گل نے اندر سے نکل کر فون اٹھایا کوئی اجنبی اور سرد سی آواز تھی۔

"سنا ہے کہ آپ کی ہونے والی بھابھی اغوا ہو گئی ہیں۔؟"

"کیا۔" شاہ گل کے ہاتھوں میں ریسیور لرزا۔

"ہاں اقرا ساجد کو اغوا ہوئے آج تیسرا دن ہے حیرت ہے آپ کو پتا ہی نہیں۔" دوسری طرف سے طنزیہ کہہ کر لائن کاٹ دی گئی۔ اس نے اندر آکر ماں کو بتایا رحمان کا مشورہ تھا کہ فون کر کے پوچھ لیتے ہیں جبکہ ماہ گل کا کہنا تھا کہ ان کے گھر جا کر اصل صورت حال معلوم کرنا ضروری ہے۔

ساجد صاحب نے چھپانا ضروری نہیں سمجھا تھا بیٹی کی سسرال کا معاملہ تھا وہ کہاں تک چھپاتے۔

"یار فکر مت کرو میں داور سے بات کرتا ہوں وہ کچھ نہ کچھ ضرور کرے گا۔" رحمان نے ساجد کو تسلی دی۔ ماہ گل صالحہ کے پاس تھیں۔ اس پراسرار ٹیلی فون کال کا ذکر ہو رہا تھا جس کی وجہ سے وہ اس وقت یہاں بیٹھی ہوئی تھیں۔

"اقرا بیٹی کو تاوان کی وجہ سے اغوا نہیں کیا گیا ہے بلکہ اس کے پیچھے کوئی اور ہی قصہ لگتا ہے یوں محسوس ہو رہا ہے اسے اغوا کرنے والے آپ کی عزت کے درپے ہیں کم از کم اس ٹیلی فون کال سے تو یہی لگتا ہے۔" رحمان پر خیال انداز میں بولے۔

"میں نے تو ناحق کسی کا دل تک نہیں دکھایا' نہ کسی سے سخت لہجے میں بات کی پھر ایسا کیوں ہوا ہے۔؟" ساجد رو پڑے۔

"خود کو کمپوز کرو تم اگر حوصلہ چھوڑ بیٹھے تو تمہاری اولاد کا کیا ہوگا۔" رحمان نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے سمجھایا۔

اقرا کے اغوا کے بارے میں سن کر داور کو خوشی نہیں ہوئی جانے اسے کس مقصد کے لیے اغوا کیا گیا تھا ہاں یہ ضرور ہوا تھا کہ وہ خود کو بوجھ سے آزاد محسوس کرنے لگا تھا محبت شاید انسان کو ایسے ہی خود غرض

بتا دیتی ہے۔

پروا کو بھی کالج لوٹتے ہی علم ہو گیا تھا کہ اقرا آپی اغوا ہو گئی ہیں ارم تو کالج ہی نہیں آ رہی تھی ضوفشاں اور حمیرا نے بتایا تھا کہ اقرا آپی کو نامعلوم افراد نے اغوا کر لیا ہے اور اب گم نام کالز کر کر کے سب کو بتا رہے ہیں ان کے تمام رشتہ داروں، ملنے جلنے والوں اور دوستوں کو اس واقعے کی خبر ہو گئی تھی پروا کو احساس تھا کہ وہ سب اس وقت کس قیامت سے گزر رہے ہوں گے وہ گھر جا کر ان کے زخموں پر نمک پاشی نہیں کرنا چاہتی تھی اس نے داور کو فون کر کے کہا کہ وہ اسے صبح وارڈن سے اجازت لے کر پک کر لے اسے بہت ضروری بات کرنی ہے۔ آفس میں حاضری دے کر دس بجے کے قریب وہ اسے لینے آ گیا۔ وہ اس وقت سرکاری گاڑی میں یونیفارم سمیت آیا تھا۔

"مجھے بغیر بتائے ہی تم چلی گئیں کتنا پریشان رہا ہوں میں تمہیں کچھ احساس ہے۔" وہ اس نیم خنک ریسٹورنٹ کے کیبن میں داخل ہوتے ہی اس پر برس پڑا۔

"آپ کو پتا ہے اقرا آپی اغوا ہو گئی ہیں آپ کچھ کریں نا۔" اس نے داور کی ناراضگی کو نظر انداز کر دیا۔ داور نے حیرانی سے اس کا چہرہ دیکھا گویا اسے یہ علم نہیں تھا کہ اقرا اور اس کے رشتے کی بات چل رہی تھی۔

"کیا اقرا آپی کے سسرال والوں کو یہ پتا ہے کیونکہ مجھے ارم نے فون پر بتایا تھا کہ ان کی بات طے ہو گئی ہے کس کے ساتھ طے ہوئی ہے یہ مجھے نہیں بتایا اس سے پہلے ہی یہ حادثہ ہو گیا۔" وہ افسوس کر رہی تھی۔

داور نے ایک گہرا سانس لیا "اچھا ہی تھا وہ لاعلم تھی۔

"پری میں بہت ڈسٹرب ہوں۔" اس نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں باہم پھنسائیں۔

"میں بھی بہت ڈسٹرب رہی ہوں۔" وہ میز کی سطح کو گھور رہی تھی۔

"کیوں تم کیوں ڈسٹرب رہی ہو۔" وہ بے قراری سے آگے جھک آیا۔

"میری شادی طے ہو چکی ہے کچھ عرصے بعد میری شادی ہے میں اب مزید آپ کو دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتی۔" وہ ٹھہرے ٹھہرے انداز میں اس کے حواسوں پر بجلی گرا گئی۔

"پری جانتی ہو اس جھوٹ پہ میں تمہارا گلا بھی دبا سکتا ہوں۔" وہ سخت لہجے میں بولا۔

"میں جھوٹ نہیں بول رہی ہوں، بہتر ہو گا کہ ہم آج کے بعد نہ ہی ملیں۔"

"پری پری مجھے اتنا آگے لا کر تم پیچھے نہیں ہٹ سکتیں میں اس رقیب کو جان سے مار دوں گا جو تمہیں مجھ سے چھیننا چاہتا ہے۔"

داور نے سختی سے اس کے شانوں کو تھام لیا تھا تکلیف کی شدت سے پروا کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

"پری کیا تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے کیوں مجھے ستا رہی ہو میں سچ کہہ رہا ہوں جو بھی میرے اور تمہارے درمیان آیا زندہ نہیں بچے گا۔" وہ سختی سے دانتوں پر دانت جما کر بولا تو پروا کو جھرجھری سی آ گئی یہ رقابت کی آگ میں جھلستا ہوا داور تھا۔

"شاید میں ہی قصور وار ہوں مجھے آپ کی حوصلہ افزائی نہیں کرنی چاہیے تھی شاید مجھے ارم کے گھر جانا ہی نہیں چاہیے تھا آئی ایم سوری ایکسٹریملی سوری داور آپ کسی بھی اچھی سی لڑکی سے شادی کر لیجیے گا بھول جائیے گا کہ کبھی پری آپ کو ملی تھی۔" وہ بڑے حوصلے سے بول رہی تھی۔

"پری اس وقت میرے سامنے سے ہٹ جاؤ واپس چلی جاؤ ایسا نہ ہو کہ چند منٹ بعد ہی یہاں تمہاری لاش نظر آئے۔" وہ درندے کی طرح غرایا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"یہ کیسی محبت ہے آپ کی جو مجھے زندگی سے محروم کرنا چاہتی ہے میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں اب آپ بھی رہی سہی کسر پوری کرنا چاہتے ہیں میں بہت برے برے خواب دیکھ رہی ہوں اپنے بابا سائیں کے بارے میں، کتنے مہینے میں نے ان کی شکل نہیں دیکھی ہے، نہ آواز سنی ہے۔ ایسے عالم میں مجھے آپ کا تصور ہی زندگی بخشتا ہے اور آپ مجھ سے اتنی زیادہ نفرت کرتے ہیں۔" اس نے آنسوؤں کو روکنے کی

کوشش نہیں کی تھی۔ داور کو اپنے رویے کی بدصورتی کا احساس ہوا۔

"ماردیں مجھے تاکہ آپ کی جلن تو ختم ہو۔" وہ اس کے سامنے آگئی' داور نے بے اختیار ایک بازو اس کی کمر کے گرد حمائل کرکے اسے خود سے قریب کرلیا۔

"اپنی زندگی' اپنی روح کو کیسے مار سکتا ہوں۔" وہ گہرے لہجے میں بولا' پروا اس کے شانے سے لگی سسکیاں بھرتی رہی بعد میں اس کی انتہائی قربت کا خیال آتے ہی وہ اس سے دور ہوگئی تھی۔

"اب کس کے قتل کی دھمکی دوں۔" وہ سرشاری سے بولا کچھ دیر پہلے کی بے زاری جو پروا کے انکشاف کے باعث اس کے وجود پر چھاگئی تھی یکایک اس کا خاتمہ ہوگیا تھا۔

--*

"ضوفشاں' اقرا آپی کے منگیتر کا کیا نام ہے۔" اس نے یونہی ضوفشاں سے پوچھا تھا۔

"تمہیں نہیں پتا ارم نے تمہیں نہیں بتایا۔"

"تمہیں بھی پتا ہے میں سکھر گئی ہوئی تھی ارم نے کہا تھا کہ واپس آؤ گی تو سرپرائز دوں گی اب یہ حادثہ ہوگیا ہے وہ تو کالج ہی نہیں آرہی ہے۔"

"وہ حسان بھائی کے دوست ہیں ناں جو اسپیشل پولیس ڈپارٹمنٹ میں ایس پی آفیسر ہیں۔ لمبے ڈشنگ سے یار وہی داور زئی۔" ضوفشاں ماتھے پر ہاتھ مار کر بولی تو پروا جیسے کسی گہرے بھنور میں چکرانے لگی۔

"داور زئی یہ تعلق ابتدا سے ہی غلط تھا اب میں تمہیں کبھی بھی نہیں یاد کروں گی کبھی بھی نہیں۔ اچھا ہی ہوا میں نے کسی فرینڈ سے تمہارا ذکر نہیں کیا ورنہ رسوائی اور ملامت ہی میرے حصے میں آتی۔ تمہارے تصور کو مجھے اندر ہی اندر کہیں دفن کرنا پڑے گا۔"

کہا بھی تھا
میری انجان آنکھو
کہا بھی تھا کہ
خواب نہ دیکھو
اس راہ پہ نہ چلو
جہاں پاؤں فگار ہوجائیں
اور رستے بھی خار ہوجائیں
اتنے خواب نہ دیکھو کہ
انہیں آنکھوں میں رہنے کے لیے جگہ نہ ملے
مگر خواب دیکھ دیکھ کے
میری آگہی سے انجان آنکھوں نے
دریا ہونا سیکھ لیا ہے
دل نے درد سہنا سیکھ لیا ہے
جذبوں نے سرد رہنا سیکھ لیا ہے

--*

داور دوبارہ اسے ہوسٹل ملنے آیا پروا نے انکار کردیا ملنے سے' سامنے ہی نہیں آئی اس نے کتنی بار وارڈن کے آفس فون کرکے اسے بلوایا پر وہ ریسیور تھامے خاموش ہی رہی وہ ہیلو ہیلو ہی کرتا رہ گیا ابھی وہ پروا کے اس رویے پر کھول ہی رہا تھا کہ اے ایس آئی نے کسی حیات کے آنے کی اطلاع دی جو اس سے فوری ملاقات کا خواہش مند تھا۔

"لے آؤ فوراً" اندر۔" اس نے آج تخت یا تختہ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

"سلام داور سائیں۔" حیات سلام کرکے بیٹھ گیا۔

"کہو کیسے آنا ہوا۔" وہ خشک لہجے میں بولا۔

"داور سائیں وڈیرا سائیں نے کہا ہے کہ بی بی سائرن کے حق پر جو ڈاکا ڈالے گا اس کا حال ایسا ہی ہوگا اور انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ آپ بی بی سائرن کو دو ہفتوں کے اندر اندر لے جائیں ورنہ بہت برا ہوگا۔"

حیات کے لہجے میں کھلی دھمکی تھی پیٹرول کو جیسے کسی نے دیا سلائی دکھادی۔

"حیات اپنے سائیں اور وڈیری سے کہہ دو کہ مجھے یہ بندھن منظور نہیں ہے تین ہفتے کے اندر اندر میں طلاق کے کاغذات تیار کرکے بھجوادوں گا۔" وہ زہر خند لہجے میں بولا تو حیات کا چہرا سرخ ہوگیا یوں لگ رہا تھا جیسے ابھی خون چھلک پڑے گا۔

"اقرا کو تو ہم نے عزت بنالیا ہے پر اسے عزت

URDU PHOTO

نہیں بتائیں گے جو بی بی سائیرن اور آپ کے درمیان ہے۔" حیات تیز تیز قدموں سے نکل گیا تھا داور نے سر تھام لیا۔ اسے حیات کے الفاظ یاد آئے۔

"اقرا کو ہم نے عزت بنالیا ہے۔" اسے اصل بات کی تہ تک پہنچنے میں ایک لمحہ ہی لگا تھا۔

"سجاد، رانا، درانی میری جیپ فوراً نکالو۔" وہ آندھی طوفان کی رفتار سے کمپاؤنڈ میں آیا تھا پر تب تک حیات نکل چکا تھا اس نے حسان کو فوراً فون کرکے کہا تھا کہ اقرا کا سراغ مل گیا ہے۔ اس نے سکھر کے ڈی سی کو فون کرکے مدد طلب کی تھی۔ حالات کے پیش نظر وہ صرف حسان کو لے کر جا رہا تھا۔

ڈیرے پر انہیں کسی خاص مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا صرف بجل ہی تھا جس نے ہتھیار ڈال دیے تھے باقی پہلے ہی غائب ہو چکے تھے۔ اقرا اندر تھی حسان کو دیکھتے ہی وہ تمام ضبط کھو بیٹھی تھی۔ بری طرح چیخیں مارتی وہ بھائی سے لپٹی تھی جس کی آنکھیں خون رنگ ہو رہی تھیں۔ اسے ابھی تک یہ علم نہیں ہو سکا تھا کہ اس کی بہن کو کس مقصد کے لیے اغوا کیا گیا ہے۔ بجل نے تشدد کے بعد بھی زبان نہیں کھولی تھی۔

*_*_*

"بی بی سائیرن یہ ہے آپ کا پاسپورٹ اور یہ ہے ٹکٹ آپ بس پرسوں تک چلنے کی تیاری کریں یہاں اب آپ کے خیر خواہ کم ہی ہیں۔" حیات کے لہجے میں محسوس کیا جانے والا دکھ تھا اس نے پروا کو بتا دیا تھا کہ اس کے شوہر نے رخصتی کرانے سے انکار کر دیا ہے اور اسے طلاق دے رہا ہے اسی وجہ سے اس نے بجل نواز کے حکم پر پروا کے لیے راتوں رات امریکہ کے ویزے کا بندوبست کیا تھا۔ داور کے لیے وڈیرے نے جو سزا تجویز کی تھی وہ بہت عبرت ناک تھی۔

"حیات مجھے اس شخص کا ایڈریس دے دو میں اسے دیکھنا چاہتی ہوں جو مجھے ٹھکرا رہا ہے۔" اس کے اندر سیاسی حاکمانہ طبیعت کی انا بیدار ہو گئی تھی۔

"آپ خود میرے ساتھ چلیں تمہیں لے چلتا ہوں میں۔"

حیات [illegible] کے آفس لے کر گیا تھا وہ نہیں تھا،

ہوتا تو ملتا۔

"اپنے ایس پی سے کہہ دینا وڈیری آئی تھی میں اس سورما کی شکل دیکھنا چاہتی تھی۔" وہ نخوت سے کہتی واپس لینڈ کروزر میں بیٹھ گئی تھی۔

*_*_*

صالحہ بیگم بار بار اقرا کو ہاتھ لگا کر اس کے ہونے کا یقین کر رہی تھیں۔ اقرا کی اس اطلاع نے گھر بھر کے ہوش اڑا دیے تھے کہ اس کا نکاح ہو چکا ہے۔

"یہ کیسے ہوا تم مجھے بتاتیں اس کی شکل دکھاتیں زندہ نہ چھوڑتا اسے۔" حسان کا خون کھول رہا تھا۔

"بھائی جان وہ کہہ رہے تھے کہ داور ان کی وڈیری کی امانت ہے اور جو اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے گا وہ برا حشر کریں گے اس کا۔ ملازم وہاں باتیں کر رہے تھے کہ داور نے ان کی وڈیری سے نکاح کیا ہوا ہے اور اب مکر رہا ہے۔" اقرا نے تفصیل بتائی۔

"اوہ تو" اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

"پر داور نے مجھ سے ذکر نہیں کیا۔" وہ ابھی تک بے یقین تھا۔

"بھائی جان یہی سچ ہے اس سچ کا پتا لگانے کے لیے میرے خوابوں کے پیروں میں کرچیاں چبھ گئی ہیں۔" وہ روتی ہوئی اندر چلی گئی تھی۔

*_*_*

حیات اس کی ضد پہ اسے داور کے گھر لیے جا رہا تھا۔ کل پروا کو ویسے بھی چلے جانا تھا وہ بس بابا سائیں کے منتخب کردہ اچھے شخص کی شکل دیکھنا چاہتی تھی اسے اس کی حیثیت یاد دلانا چاہتی تھی۔ حیات نے بتایا تھا وہ ایک معمولی سا افسر ہے۔ گاڑی جب گیٹ سے اندر داخل ہوئی تو تب وہ اپنے خیالات سے چونکی اردگرد کا ماحول مانوس لگ رہا تھا۔

"جاؤ اپنے ایس پی کو بلا کر لاؤ۔" وہ یونہی گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ اکرم کو اچھی طرح یاد تھا یہ لڑکی پہلے بھی آ چکی تھی پر تب تو وہ اتنی اکڑی اکڑی نہیں تھی۔ اندر سے داور، ماہ گل اور شاہ گل تینوں ساتھ نکلے تھے۔ اکرم کے بتانے کا انداز ہی ایسا تھا۔

"پری تم۔" وہ حیرانی کے مارے یہی کہہ سکا۔

"بی بی سائیڑن یہی ہیں وہ جن کے ساتھ آپ کا نکاح ہوا ہے۔" حیات آہستگی سے بولا تو ہزاروں پہاڑ با آواز بلند اس کے سر پر گرنے لگے۔

"تو تم ہو وہ جو مجھے ٹھکرا رہے ہو۔" وہ سرد لہجے میں بولی۔

"پری اندر آؤ بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔" وہ حیرانی کے شاک سے نکل کر اس کی طرف بڑھا۔

"خبردار جو ایک قدم بھی آگے بڑھایا۔" وہ انگلی اٹھا کر بولی۔ شاہ گل اور ماہ گل حیران تھیں کہ قصہ کیا ہے' ارم کی دوست داور سے یوں حاکموں والے انداز میں کیوں بات کر رہی ہے۔

"داور زئی تمہیں تو رشتوں کا بھرم رکھنا بھی نہیں آتا اس خیال کو ذہن سے نکال دو کہ تم سے کہوں گی مجھے طلاق مت دو۔ تمہارا اصل چہرہ میں نے دیکھ لیا ہے۔"

"حیات چلو واپس۔" وہ گاڑی میں بیٹھ گئی ادھر اس کی گاڑی گیٹ سے نکلی اور ادھر صالحہ اور حسان کی گاڑی اندر داخل ہوئی۔ وہ تینوں ابھی تک وہیں کھڑے تھے داور خود کو یقین دلا رہا تھا کہ یہ وہی پری ہے جسے وہ چاہتا ہے نکاح کے وقت اس نے ٹھیک طرح سے نام ہی نہیں سنا تھا اسے اگر خبر ہوتی کہ وڈیری اور پری ایک ہی شخصیت ہیں تو وہ کبھی حیات کو مایوس نہ لوٹاتا۔ ادھر ماہ گل حیران تھی کہ پروا بار بار نکاح اور طلاق کا ذکر کیوں کر رہی تھی اب اوپر سے صالحہ' حسان اور ساجد چلے آئے تھے ان کے لبوں پر وہی قصہ تھا جو پروا تھوڑی دیر پہلے سنا کر گئی تھی۔

اس نے سر جھکا کر اعتراف کر لیا تھا کہ وڈیرا اچل نواز کو گرفتار کرنے کی خاطر اسے یہ نکاح کرنا پڑا تھا حسان کو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ پروا اسی اچل نواز کی بیٹی ہے جو بین الاقوامی دہشت گرد ہے۔

"داور تم نے ہمیں بتایا تک نہیں۔" سب اسے ملامت کر رہے تھے وہ اس وقت کسی کا بھی سامنا کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا گاڑی لے کر باہر نکل گیا۔

*_*_*

حیات کو علی ڈنو نے اطلاع دی تھی کہ وڈیرا اچل نواز کو سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹرز میں کھانے میں زہر ملا کر قتل کر دیا گیا ہے اب پروا سے چھپانے کا کیا فائدہ تھا وہ پہلی فلائٹ سے اسے لے کر سکھر پہنچا' علی ڈنو نے آہستگی سے بتایا کہ اقرا کو اس کے گھر والے لے گئے ہیں اور وڈیرا سائیں کی لاش حویلی میں ہے باپ کی لاش دیکھتے ہی وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔

ہوش میں آنے پر وہ باپ کے مردہ جسم سے لپٹ لپٹ کر اتنا روئی کہ پتھر دل کلیجے بھی ہل گئے۔

"حیات تم نے مجھ سے کیوں چھپائے رکھا کہ بابا سائیں امریکہ میں ہیں میں ان سے مل تو لیتی' ان کا دیدار ہی کر لیتی۔" وہ دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی' آج کے تمام اخبارات اچل نواز کی پراسرار ہلاکت کے بارے میں بھرے ہوئے تھے۔ اچل نواز کے باقی ساتھیوں کے محتاط ہو جانے کے ڈر سے اس کے کارنامے واضح طور پر بیان نہیں کیے گئے تھے۔ حکومت کی سختی سے ہدایت تھی کہ اچل نواز کی موت کو ہائی کیک نہ بنایا جائے پھر بھی پروا باپ کے اصل روپ سے کسی حد تک واقف ہو گئی تھی دوسروں کے لیے موت کی ڈوریاں ہلانے والا خود قدرت کی نادیدہ ڈوری میں بندھ گیا تھا۔

*_*_*

"داور ہمیں پروا کے گھر لے چلو ہم اس سے تعزیت کریں گے۔" رحمان اور ماہ گل خود اس کے کمرے میں آئے۔ داور کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا اس کی نظروں میں بے اعتباری دیکھ کر رحمان بولے۔

"اس میں اس بچی کا کیا قصور ہے باپ کے گناہوں کی سزا بیٹی کو نہیں دیں گے تم اگر پہلے ہی ہمیں بتا دیتے کہ تم یہ انتہائی قدم اٹھا چکے ہو تو ہم بخوشی اسے بہو بنا کر گھر لے آتے خیر اب بھی دیر نہیں ہوئی ہے اچل نواز کے چالیسویں کے بعد ہم بات کریں گے۔"

*_*_*

"نہیں مما میں حیات سے طلاق نہیں لے سکتی نہ عدالت جاؤں گی ہو بیت گیا سو بیت گیا میں اب کسی

URDU PHOTO

بدنامی کا سامنا نہیں کر سکتی وہ جیسا بھی ہے مجھے قبول ہے۔" اقرا روتی ہوئی کمرے سے نکلی تو وہ سب ایک دوسرے کا منہ دیکھ کر رہ گئے۔

*_*_*

"بی بی سائیں شہر سے مہمان آئے ہیں۔" بھاگ بھری اسے اطلاع دے کر پلٹ گئی۔ پروا نے سپارہ چوم کر جزدان میں رکھا اور باہر آ گئی۔ ڈرائنگ روم میں رحمان ماہ گل اور داور بیٹھے ہوئے تھے نہ جانے کیوں اسے سہارے کا احساس ہوا ماہ گل کے سینے سے لگ کر وہ ایک بار پھر دھواں دھار روئی، رحمان کی آنکھیں بھی نم ہو گئی تھیں۔

*_*_*

چنچل نواز کے چالیسویں کو ڈیڑھ ماہ گزر چکا تھا۔ رحمان اور ماہ گل نے فیصلہ کیا تھا کہ اسی ماہ پروا کو رخصت کرا کر لے آتے ہیں۔ صدف اور شاہ گل بہت خوش تھیں انہیں تو پہلے پروا ہی پسند آئی تھی یہ جاننے کے بعد کہ وہ بھائی کی بھی پسند ہے ان کی خوشی میں اضافہ ہو گیا تھا وہ آتے جاتے داور کو چھیڑتیں وہ محض مسکرا کر رہ جاتا نہ جانے کیوں اسے پروا کے تیور خائف کر رہے تھے۔

پروا بابا سائیں کے کمرے کی صفائی کر رہی تھی، ایک ایک چیز میں اسے بابا سائیں کی مہک آ رہی تھی۔ وہ درازوں میں تمام کاغذات سلیقے سے تہ کر کے رکھ رہی تھی جب وہ اسٹامپ پیپر پھسل کر نیچے گرا تھا اس نے یونہی اٹھا کر پڑھا۔

"میں داور زئی ولد رحمان زئی، پروا چنچل نواز سے اس شرط پر نکاح کر رہا ہوں کہ اگر چنچل خود کو پولیس کے حوالے کر دے چونکہ کل وڈیرا چنچل نواز ہتھیار ڈال رہا ہے اس لیے میں اس کی بیٹی سے نکاح کروں گا۔"

"تو تم ہو میرے بابا سائیں کے قاتل اسے موت کے منہ میں دھکیلنے والے۔! بابا سائیں پروا نواز اتنی گری پڑی تو نہیں تھی کہ [illegible] نے ہتھیار ڈال دیے۔ داور زئی کوئی نواب [illegible] کی ریاست کا بادشاہ تو نہیں تھا جو [illegible] اس کے اسٹامپ پیپر کو مٹھی میں دبا لیا۔

"داور زئی یہ شادی میں ضرور کروں گی تاکہ تمہارے دل میں کوئی حسرت کوئی ارمان نہ رہے۔" وہ نفرت سے بولی۔

*_*_*

صالحہ بیگم کے دل میں پروا کی طرف سے گرہ پڑ گئی تھی۔ نہ جانے کیوں وہ اسے اقرا کا مجرم سمجھ رہی تھیں۔ گھر میں اب اس کا نام لینے پر بھی پابندی تھی حالانکہ باقی سب کی نگاہوں میں وہ بے قصور تھی۔ اقرا نے بھی حالات سے سمجھوتہ کر لیا تھا اسے دکھ تھا کہ حیات نے اس سے رابطہ نہیں کیا ہے۔

داور کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ پروا شادی کے لیے تیار ہو گئی ہے اس کی شادی کی ڈیٹ جب فکس ہوئی تو اسے یقین کرنا ہی پڑا۔ وہ خدا کا شکر کرتا تھا کہ اس نے پری کو طلاق نہیں دی پھر اس کے بعد ساری عمر کا پچھتاوا رہ جاتا۔

*_*_*

داور جب اپنے برائیڈل روم میں داخل ہوا تو پروا عام سے انداز میں صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ کامدار بھاری دوپٹہ صوفے کی بیک پر پڑا ہوا تھا، پاؤں جوتوں کی قید سے آزاد پھولوں بھرے کارپٹ پر دھرے ہوئے تھے، تمام زیورات وہ اسی طرح پہنی ہوئی تھی، بالوں سے اس نے موتی نوچ کر نکالنے کی کوشش کی تھی جس کے نتیجے میں تمام بال پریشان سے اس کے کندھے اور کمر پر پھیل گئے تھے۔ داور کو حیرت سی ہوئی اس کی آنکھیں حیا کے بوجھ سے جھکی ہوئی نہیں تھیں بلکہ بے باکی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"دیکھ لو میں نے اپنا کہا پورا کر دیا ہے کہ تمہیں ہی دولہن بنا کر لاؤں گا اور تم ہی یہاں آئی ہو کبھی نہ جانے کے لیے۔" وہ اس کے سہانے روپ کو نگاہوں میں بساتے ہوئے اس کے قریب ہی ٹک گیا۔

"تم واقعی پری ہو۔" وہ اس کی خاموشی پر بولا تو پروا نے اپنی نگاہیں اس پر سے ہٹا لیں۔

"کچھ بولو اچھی سی بات ہی کہو اور کچھ نہیں تو ناراضگی کا اظہار ہی کرو۔" داور نے اس کا ہاتھ تھاما

چاہا تو پروا نے چھڑا لیا۔

"پہلے اپنے حساب تو چکا لیں۔" وہ نفرت سے بولی تو داور حیران ہو کر اسے تکنے لگا۔

"کون سے حساب۔"

"اتنے بھولے نہ بنو' میرے باپ کو موت کے حوالے کرنے والے تم ہو صرف تم اس خوش فہمی میں مت رہنا کہ میں نے یہ شادی تمہارے عشق کے ہاتھوں مجبور ہو کر کی ہے نہیں داور زئی میں نے یہ شادی اپنے حساب برابر کرنے کے لیے کی ہے۔ مجھے علم ہے کہ تم مجھ سے شدید محبت کرتے ہو۔ میں بھی بابا سائیں سے شدید محبت کرتی تھی اور کرتی رہوں گی اس سے قطع نظر کہ وہ کیا تھے۔ محبت سے محرومی کا دکھ بہت بڑا ہوتا ہے انسان سہہ بھی نہیں سکتا' وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گئے ہیں پر ان کا دکھ ہمیشہ میرے سینے میں پلتا رہے گا۔ میں تمہارے سامنے تمہارے قریب ہوتے ہوئے بھی تمہیں خود سے محروم رکھوں گی۔ یہ دکھ' یہ محرومی تاعمر ناسور بن کر تمہیں تڑپاتا رہے گا۔"

میں خواب بن کر اسے نیند میں دکھائی دوں
وہ میرا قرب جو چاہے تو میں اسے جدائی دوں
تڑپ تڑپ کے وہ مجھے مانگتا رہے مجھ سے
پر اپنے سوائے میں اسے ساری خدائی دوں

"تو داور زئی میری طرح تمہیں بھی نارسائی کی آگ میں جلنا پڑے گا اگر تم نے زبردستی بزور طاقت مجھے حاصل کرنے کی کوشش کی تو ایسا صرف تم ایک بار ہی کر سکو گے' دوسری بار میں اس کی نوبت ہی نہیں آنے دوں گی۔ داور زئی میں اپنا خاتمہ اپنے ہاتھوں سے کروں گی' تاعمر تم اپنے زخم چاٹتے رہو گے۔"

پروا زہر خند ہو رہی تھی۔

"تم اتنی ظالم بھی ہو سکتی ہو مجھے اندازہ نہیں تھا۔" کتنی دیر بعد داور کی آواز نکلی تو وہ فتح مندی کے احساس سے مسکرا دی۔

"بابا سائیں کی روح یقیناً بہت خوش ہو گی۔" وہ دل میں بولی۔

URDU PHOTO

......*

"اقرا تم ایک بار پھر سوچ لو حیات جس لائن کا آدمی ہے تم اچھی طرح جانتی ہو۔" ساجد اسے آخری بار سمجھا رہے تھے۔

"پپا وہ اس لائن کا آدمی نہیں ہے اس نے کبھی چیل نواز کے جرائم میں حصہ نہیں لیا وہ ایک پڑھا لکھا روشن دماغ شخص ہے۔ میں نے اس کی شرافت اور کردار کو پرکھا ہے' میں اتنے دن وہاں رہی پر اس میں کوئی قابل گرفت بات نہیں دیکھی۔" اقرا اس کی حمایت کر رہی تھی سو انہیں ہتھیار ڈالنے پڑے۔

"ٹھیک ہے میں اسے بلواتا ہوں سادگی سے تمہیں اس کے ساتھ رخصت کر دیتا ہوں۔" ساجد بولے اور ٹیلی فون سیٹ گود میں رکھ کر حیات کا نمبر ملانے لگے۔

پروا کے تو پیر ہی زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔ اقرا حیات کی بن گئی تھی۔ رخصتی تو سادگی سے ہوئی تھی پر ولیمے پر اس نے تمام کسریں نکال دی تھیں۔ سارا انتظام حویلی میں کیا گیا تھا لگتا تھا پورا گاؤں ہی امڈ آیا ہے۔ صالحہ کی خفگی ختم ہو گئی تھی وہ اتنی محبت اور چاہت سے ہر کام میں پیش پیش تھی کہ انہیں اقرا کے نصیب پر پیار آ گیا۔ پروا نے کہا تھا کہ اقرا اور حیات حویلی میں ہی رہیں گے حیات نے انکار کر دیا تھا اس نے کہا تھا۔

"میں ڈیرے پر ہی رہوں گا اور پہلے کی طرح ہی ہر کام کروں گا۔" وہ خاموش ہو گئی تھی۔

رات وہ اور داور حویلی میں ہی رکے۔ حیات اقرا کو لے گیا تھا وہ بے پناہ خوش تھی۔

"بھاگ بھری میں سونے جا رہی ہوں تمام لائٹس آف کر دو۔" پروا کہہ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ داور ایک دلچسپ میگزین پڑھ رہا تھا۔ اسے اندر آتے اور پھر دروازے کو لاک کرتے دیکھ کر اسے حیرت ہوئی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ کسی اور کمرے میں سوئے گی۔

"خیر اس کا گھر ہے جہاں دل چاہے سوئے مجھے کیا۔" وہ کندھے اچکا کر دوبارہ میگزین پڑھنے لگا۔ وہ وارڈروب سے نائٹ ڈریس نکال کر واش روم نہانے چلی گئی۔ چند منٹ بعد تولیے سے گیلے بال جھٹکتی وہ باہر آئی تو

داور کی نظر بے اختیار اس کی طرف اٹھ گئی۔ اس کا دماغ سنسنا اٹھا۔ اس نے نظروں کو موڑ لیا۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑے ہو کر بالوں میں برش پھیر رہی تھی پھر اس نے دلکش سی مہک والا ایئر فریشنر کمرے میں اسپرے کیا اور ہلکی آواز میں ڈیک لگا کر آ بیٹھی۔

جاناں جاناں۔
پریوں جیسا روپ دکھاتا۔
جاناں جاناں۔
پریوں کی طرح کھو نہیں جانا۔
روپ دکھاؤ ہمیں مست بناؤ۔
ہوش اڑاؤ جاناں جاناں۔

پروا نے بال جھٹکے برش پھینکتے ہوئے وہ بیڈ پر اس کے سامنے لیٹ گئی اور خوامخواہ ہی چوڑیوں کو چھیڑنے لگی۔ داور کی توجہ کیسے نہ تقسیم ہوتی' خون اس کی کنپٹیوں میں جوش مارنے لگا تھا وہ شاید اس کے ضبط کو آزما رہی تھی۔ داور میگزین پھینک کر بیڈ سے اتر آیا اور دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

"ایس پی صاحب ڈر گئے ہیں۔" وہ دل میں طنزیہ بولی۔ بھاگ بھری کچن میں تھی داور نے پانی مانگا وہ اس وقت اس کی یہاں موجودگی پر حیران تھی۔ بہرحال اس نے داور کو پانی کا گلاس تھمایا۔ وہ پانی پی کر چند منٹ وہیں کھڑا رہا اندر ایک قیامت تھی اور باہر بھاگ بھری تھی۔ ٹی وی لاؤنج کے سوا وہ تمام کمروں کے دروازے بند کر چکی تھی کیونکہ یہ پروا کا حکم تھا داور کی موجودگی میں ہی بھاگ بھری نے ٹی وی لاؤنج کا دروازہ بھی لاک کیا وہ ادھر ادھر چکر لگاتا رہا بھاگ بھری بے چاری اس کے انتظار میں تھی کہ وہ جائے تو وہ لائٹس آف کر کے سونے جائے وہ خود سے اسے کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔ داور کو ہی شاید اس پر رحم آ گیا وہ دوبارہ اپنے کمرے کی طرف مڑا تھا۔ شادی سے پہلے پروا اسی کمرے میں ہاسٹل سے واپسی پر قیام کرتی تھی۔ مجموعی طور پر یہ ایک آرام دہ اور کم فرنیچر والا کمرہ تھا۔ فرش پہ ہلکا نیلا کارپٹ بچھا ہوا تھا' کھڑکیوں اور دروازے کے پردے بھی اسی رنگ کے تھے بیڈ اور لائٹ کلر کا تھا جو پروا کا پسندیدہ رنگ تھا' کمرے میں دائیں ہاتھ پر ایک ون پیس صوفہ تھا' ایک ڈریسر اور ایک ٹیبل تھا' دیواروں پہ پروا کی کھینچی ہوئی تین چار تصویریں لگی ہوئی تھیں' ایک طرف ڈیک اور کیسٹس کا ریک تھا۔

وہ واپس آیا تو ڈیک اسی طرح چل رہا تھا اس نے پہلے اسے آف کیا اور کمرے کا جائزہ لیا' لائٹ بند ہو چکی تھی اور سرخ رنگ کا نائٹ بلب جل رہا تھا۔ وہ خود بیڈ کے بیچوں بیچ بکھر کر لیٹی ہوئی تھی۔ داور نے خود کو امتحان میں گھرا ہوا محسوس کیا۔ اس نے تکیہ منہ پر رکھا اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔

وہ اچھی طرح جان چکا تھا کہ وہ اسے ہرانا چاہتی ہے اور شکست میں اس کی موت تھی۔ پتا نہیں وہ کیوں اتنی اذیت پسند ہو گئی تھی۔

دوسرے دن پروا نے اقرا اور حیات کو رات کے کھانے پر مدعو کیا ناچار داور کو بھی رکنا پڑا۔ اس رات میگزین پڑھنے کے بجائے اس کی آمد سے پہلے ہی وہ سو چکا تھا۔ پروا کو شدید غصہ آیا تھا اسے اپنے بیڈ پر سوتے دیکھ کر' اس کا مطلب یہ تھا کہ اسے کارپٹ پر سونا پڑے گا۔ کل رات نہ جانے اسے کیا ہو گیا تھا شاید وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ داور کتنا کمزور ہے پر وہ تو اسے پتھر لگا تھا اسے بے حد شرمندگی بھی تھی کہ اس نے کیوں ایسا کیا تھا۔ انتقام لینے کے ستانے کے اور بھی کئی طریقے تھے اس طرح سے تو اس کے اپنے کردار کی کمزوریاں عیاں ہوتی تھیں۔ نہ جانے وہ اس کے بارے میں کیا سوچتا رہا ہوگا۔ داور کی ہمراہی میں اسے صرف ایک ماہ ہوا تھا اور وہ اتنی بے حجاب ہو گئی تھی۔

داور نے پلکوں کی جھری سے پروا کو دیکھا اور شکر کیا کہ کل والی حشر سامانیاں نہیں ہیں۔ کاٹن کے کالے پھولوں والی بند گلے والی شرٹ پہنے وہ معصوم سی پروا لگ رہی تھی جو ارم کے گھر اسے ملی تھی کل والی پروا شعلہ تھی' آگ تھی آج والی پروا شبنم تھی' کنول تھی۔ کل کالی گھٹائیں پھیلی ہوئی تھیں آج سمٹی ہوئی کمر پر ٹھہر گئی تھیں۔

"کتنے رنگ ہیں تمہارے پروا بی بی۔" وہ دل میں بولا۔ پروا کا جی چاہ رہا تھا داور کو اٹھائے پھر کچھ سوچ کر وہ

رک گئی تھی۔ اس نے بیڈ کے اوپر سائیڈ پر سونے کو اولیت دی۔

۔۔*

وہ مسلسل دس بارہ روز سے رات کو تقریباً" گھر سے غائب ہی رہتا تھا۔ ماہ گل نے باز پرس کی تو وہ "یہ تو میری ڈیوٹی ہے۔" کہہ کر دامن بچانے لگا۔

"داور یہ مجھے پسند نہیں ہے تم اپنے افسران سے بات کرو غضب خدا کا دو ہفتے سے رات گھر پر تمہاری شکل ہی نہیں دکھائی دیتی ہے، ہمارا نہیں تو پری کا ہی خیال رکھو۔" رحمان نے اسے ڈانٹا تو وہ دل میں بولا۔

"پری کا ہی تو دھیان کر رہا ہوں۔" رحمان کی ڈانٹ سننے کے بعد یہ ہوا کہ وہ رات دس ساڑھے دس بجے کے قریب آنے لگا وہ نوٹ کر رہا تھا کہ وہ جب بھی آتا پروا شاہ گل کے ساتھ لان میں ٹہل رہی ہوتی وہ گاڑی سے اترتا تو وہ بے قرار بیوی کی طرح لپک کر اس کے قریب آتی چاہت کے اس مصنوعی دکھاوے پر داور کا دل جل کر خاک ہو جاتا۔

"آپ فریش ہوں میں ابھی کھانا لاتی ہوں آپ کے انتظار میں میں نے بھی نہیں کھایا ہے۔" اس کا دوسرا جملہ اس قسم کا ہوتا تھا۔ شاہ گل اس موقع پر اپنی موجودگی غیر ضروری تصور کرتی تھی۔ آج بھی اس کی جیپ جیسے ہی پورچ کے شیڈ کے نیچے رکی پروا نے دوڑ لگائی۔

"تھینکس گاڈ آپ آ گئے ٹائم دیکھا ہے گیارہ بج رہے ہیں۔" اس نے ناراضگی سے کلائی پر بندھی رسٹ واچ اس کے سامنے کی۔ شاہ گل پیچھے کھڑی تھی ورنہ داور کا ارادہ اچھی طرح اس کی طبیعت صاف کرنے کا تھا۔

"آپ کے لیے کھانا لاؤں۔" وہ اندر کی طرف بڑھتے داور سے پوچھ رہی تھی۔ اس نے نفی میں سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

"اٹھو یہاں سے [illegible] جب مجھے اتنا ناپسند کرتی ہو تو پھر میرے قریب کیوں رہتی ہو۔" داور سرد لہجے میں بولا اور اسے اٹھنے کا اشارہ کیا وہ آنکھوں میں حیرانی لیے تکتی رہی داور نے [illegible] کی [illegible] پکڑ کر اٹھایا۔

بیڈ روم کا درمیانی دروازہ کھولا اور اسے اپنے عارضی آفس میں لا چھوڑا۔ جب اسے کوئی کیس بہت توجہ سے ڈسکس کرنا ہوتا تھا تو وہ اس کمرے کو جائے پناہ بنا لیتا تھا یہاں ایک ٹیبل دو کرسیاں اور ایک آرام دہ صوفہ پڑا ہوا تھا۔ دیوار کے ساتھ لکڑی کا ریک بنا ہوا تھا جس میں کچھ کتابیں اور فائلز تھیں۔

وہ ابھی کمرے کے عین وسط میں کھڑی کچھ سوچ ہی رہی تھی کہ وہ بیڈ سے ایک تکیہ اور چادر اٹھا کر لے آیا۔

"یہ ہے تمہارا بیڈ روم اور وہ ہے میرا۔" اس نے اشارہ کیا۔

"تم شاید یہ سمجھتی ہو کہ عورت اور حسن میری کمزوری ہے۔ سکھر میں قیام کے دوران تم نے جو انداز اپنایا اس سے میرا یہ نظریہ پختہ ہو گیا ہے شیم آن یو پروا چگل نواز۔ اگر عورت اور حسن میری کمزوری ہوتا تو میں تم پر اکتفا نہ کرتا تم جانتی ہو کہ میں اسپیشل پولیس ڈپارٹمنٹ میں ہوں ہمارے پاس اہم اور مشکل کیس لائے جاتے ہیں بڑے بڑے ذہین مجرموں سے واسطہ پڑتا ہے جن میں عورتیں بھی شامل ہوتی ہیں تو یہ عورتیں اور لڑکیاں جب گرفتار ہو کر ہمارے پاس آتی ہیں تو سزا سے بچنے کے لیے بڑی بڑی رشوتیں پیش کرتی ہیں جن میں سب سے بڑی رشوت اپنا آپ ہوتا ہے۔

میں اگر اتنا ہی کمزور ہوتا ناں تو اس وقت یہاں کھڑا ہو کر تمہیں یہ سب نہ بتا رہا ہوتا اگر تم انتقام پر اتر آئی ہو تو میں بھی محبت کو بھلا کر ایک انا پسند مرد بن سکتا ہوں پہل تمہاری طرف سے ہوئی ہے کیونکہ میں نے تمہیں دلی تمناؤں سمیت اپنایا تھا میں یہ بھی ہرگز نہیں چاہوں گا کہ میری وجہ سے تم اپنی زندگی ختم کرو ویسے اس کی نوبت آئے گی بھی نہیں۔

"اگر تم مجھے اپنے باپ کا مجرم سمجھتی ہو تو بصد شوق سمجھتی رہو یہ میری ڈیوٹی تھی جو میں نے ہر حال میں پوری کرنی تھی تم سے شادی کی شرط بھی انہی کی تھی میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ حیات کئی بار میرے پاس آیا کہ میں اس کی وڈیری سے جلد از جلد شادی کر لوں۔

مجھے بالکل بھی علم نہیں تھا کہ ارم کی دوست پروا اصل میں نچل نواز کی بیٹی ہے میں نے تو اس بھولی بھالی پری سے محبت کی تھی جو میری ناراضگی سے ہرٹ ہو جاتی تھی جو محبت سے گندھی تھی تم تو کوئی اور ہو۔"

وہ انگلی اٹھا کر اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا تو اتنی دیر سے وہ جو بڑے صبر سے سن رہی تھی آنسوؤں کی صورت میں داور کے سامنے عیاں ہو گئی کتنی بے رحمی سے اس نے پری کا تجزیہ کیا تھا۔

"اور ہاں اس خوش فہمی میں مت رہنا کہ میں تڑپ تڑپ کر تمہیں مانگتا رہوں گا انتقام سے زہر آلود لوگوں کو مانگنا میرا مزاج نہیں ہے۔" وہ طنزیہ ہنسا پری کا دل کٹ سا گیا یہ کیا ہو گیا تھا بساط ہی الٹی ہو گئی تھی اس کا خیال تھا کہ وہ داور کی کمزوری ہے اس بل بوتے پر وہ اسے کٹھ پتلی کا ناچ نچائے گی۔ مگر وہ اسے آنسوؤں کے سمندر میں دھکیل کر چلا گیا۔

--*

داور کے محکمے میں بڑے پیمانے پر تبادلے ہو رہے تھے۔ اس تبدیلی کی زد میں وہ بھی آگیا تھا اس کا تبادلہ زیارت برانچ میں ہوا تھا جہاں کے حالات انہی دنوں توجہ کے طالب تھے۔ مما اور پپا نے کہا تھا کہ پری کو بھی لے جاؤ اس نے یہ عذر پیش کیا کہ ابھی اسے گھر نہیں ملا ہے جب ملے گا تو وہ اسے بھی لے جائے گا۔ وہ اکیلا کوئٹہ چلا آیا تھا اس نے جھوٹ بولا تھا کہ اسے گھر نہیں ملا ہے اسے تو بڑا خوبصورت گھر ملا تھا ایک قباحت تھی کہ یہ گھر آبادی سے ہٹ کر تھا یہ ایک کاٹیج تھا جنگلی پھولوں اور سرسبز خودرو بیلوں سے سجا۔ آس پاس بادام، اخروٹ اور سیب کے درخت تھے۔ کہیں کہیں چیری کے شگوفے بھی نظر آتے تھے۔ مجموعی طور پر ارد گرد کا ماحول بڑا پر سکون اور رومانوی تھا۔

دو ہفتے بعد ہی گھر والوں کے مسلسل فون آنا شروع ہو گئے کہ پری کو لے جاؤ مارے بندھے وہ واپس آکر [illegible] لے گیا تھا۔ پروا کو بھی یہ کاٹیج بہت پسند آیا تھا اس کا خیال تھا کہ داور نے کوئی ملازم رکھا ہو گا جو گھر کے تمام کاموں کے [illegible] کھانا بھی پکاتا ہو گا پر [illegible] ابھی تک اس نے کوئی ملازم جیسی شے نہیں دیکھی تھی۔ دو دن داور مسلسل تینوں وقت کا کھانا ہوٹل سے لاتا رہا اس لیے پروا کو خاص فکر نہیں ہوئی لیکن آج جب وہ خود بھی ناشتا کیے بغیر روانہ ہوا تو اسے صورت حال کی سنگینی کا احساس ہوا۔ شادی سے پہلے اس نے شاید ہی کبھی کچن میں قدم رکھا ہو بعد میں داور کے گھر تمام کام ملازم کرتے تھے۔ کھانا ماہ گل خود بناتی تھیں۔ پروا کو انہوں نے کسی کام کو ہاتھ ہی نہیں لگانے دیا۔

اب دس بج گئے تھے اسے شدید بھوک لگ رہی تھی فریج کھول کر دیکھا تو ہر چیز موجود تھی اس نے کبھی ناشتا اور کھانا بنایا تو نہیں تھا البتہ یہ ضرور معلوم تھا کہ کون سی چیز کیسے بنتی ہے کیونکہ ہوسٹل میں جب بھی انہیں کھانا پسند نہ آتا تو لڑکیوں کے گروپ خود ہی کچن میں گھس کر اپنی پسند کی چیزیں پکا لیا کرتے۔ وہ بھی اس میں شریک ہو جاتی اور مدد کراتی وہی چیز اس وقت یہاں بھی کام آئی۔ چائے اس سے اچھی ہی بنی بس پراٹھا اور انڈا کچھ جل گئے پر انہوں نے مزا بہت دیا۔ برتن دھونے کا مرحلہ درپیش تھا وہ بھی کسی نہ کسی طرح ڈھل گئے۔ برتن دھو کے وہ سو گئی سہ پہر آنکھ کھلی تو زبردست بھوک لگ رہی تھی دوبارہ اٹھ کر کچن میں آئی ڈبوں میں تمام دالیں اور چاول موجود تھے۔ پروا نے فیصلہ کیا کہ چکن پلاؤ بنایا جائے۔ مرغی بھونے بغیر ہی اس نے ڈھیر سارا پانی ڈال دیا اب جو چاول پکے وہ لئی سے مشابہ تھے اس نے بڑی بے تابی سے کھائے بھوک کے مارے پیٹ میں چوہے دوڑتے محسوس ہو رہے تھے۔ کھا کر وہ ٹی وی آن کر کے بیٹھ گئی جو داور کے بیڈ روم میں تھا۔

وہ سات بجے تک آگیا پروا کا خیال تھا کہ وہ پھر ہوٹل سے کھانا ساتھ لے کر آئے گا پر آج وہ خالی ہاتھ تھا۔

"میرا خیال ہے کہ کافی مہمان نوازی ہو گئی ہے اب مجھے کھانا لا کر دو۔" وہ رعب سے بولتا ریموٹ کنٹرول اٹھا کر ٹی وی کے آگے جم گیا۔ پروا نے وہی چکن پلاؤ گرم کر کے اس کے آگے لا کر رکھا ایک چمچہ کھانے کے بعد ہی اس نے ہاتھ روک دیا۔

"میرا اتنی جلدی مرنے کا موڈ نہیں ہے۔" اس نے پلیٹ پرے سرکا دی' وہ کھانا کھا کر آیا تھا بس یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ گھرداری میں کس حد تک طاق ہے۔

"میرا آپ کو مارنے کا ارادہ بھی نہیں ہے اللہ خود ہی آپ سے حساب لے گا۔" وہ تپ کر بولی تو وہ خاموش رہا۔

ہیٹر لگا ہونے کے باعث کمرہ قدرے گرم تھا پروا کو نیند آنے لگی دو روز سے وہ یہیں سو رہی تھی کیونکہ باقی دو کمرے سیٹ نہیں تھے وہ کارپٹ پہ گدا ڈال کر مزے سے سو جاتی تھی۔ کاٹیج کے اردگرد کا ماحول دیکھتے ہوئے اس نے اکیلے کمرے میں سونے سے توبہ کرلی تھی۔ دور دور تک آبادی کا نام و نشان نہیں تھا۔ اردگرد اور بھی ایسے بے آباد کاٹیج تھے لمبے لمبے درختوں میں گھرے۔

"پروا اٹھو شاباش دوسرے کمرے میں سو جاؤ۔" داور زور سے اس کے پاس آکر بولا تو اس کی خمار میں ڈوبی آنکھیں کھل گئیں۔

"میں دوسرے کمرے میں نہیں سوؤں گی ڈر لگتا ہے مجھے۔" اس نے انکار میں سر ہلایا۔

"اچھا تو پھر میں ہی دوسرے کمرے میں سو جاتا ہوں۔" وہ مڑا تو پروا نے بے اختیار اس کا بازو تھام لیا۔

"نن نہیں پلیز ادھر ہی سوئیں مجھے ڈر لگے گا۔" وہ ملتجی لہجے میں بولی۔

"کہیں یہ بھی بدلہ لینے کا تو انداز نہیں ہے۔" وہ بے اعتباری سے بولا تو پروا سلگ کر رہ گئی۔

"مجھے آپ سے کوئی بدلہ نہیں لینا ہے۔" وہ تیزی سے بولی۔

"میں تمہارے الفاظ نہیں بھول سکتا ہوں جو تم نے کہے تھے۔"

"معاف کردیں مجھے ان الفاظ پر۔" اس نے ہاتھ جوڑ دیئے۔

"اچھا ادھر ہی سو جاتا ہوں کیا یاد کرو گی۔" وہ اس پہ جیسے احسان کر رہا تھا۔

"یہ مجھے کیا ہو گیا تھا میں کیوں اتنی کمزور پڑ گئی تھی۔" صبح اس نے خود کو ڈانٹا۔

"وہ کیا سوچتا ہوگا کہ میں کتنی متلون مزاج ہوں۔" پروا نے سر جھٹکا۔

"مجھے حویلی جانا ہے۔" اس نے ناشتا کرتے داور کو چونکایا۔

"تو چلی جاؤ۔" وہ بے تاثر لہجے میں بولا۔

"میں ہمیشہ کے لیے جانا چاہتی ہوں اپنے باپ کے قاتل کے ساتھ رہنا ناممکن ہو گیا ہے۔"

"پروا ایک بات کان کھول کر سن لو وہ پولیس کسٹڈی میں ہلاک ہوئے ہیں اور میں اس وقت لاہور میں تھا۔"

"بات تو ایک ہی ہے۔"

"پروا مجھے تم سے اس حماقت کی توقع نہیں ہے۔" داور نے چائے کی پیالی پٹخ دی۔

"آپ نے میری قیمت لگائی ہے بابا کی گرفتاری کے بدلے اور بعد میں انہیں ہلاک کروا دیا۔" وہ نفرت سے بولی۔

"اسٹاپ اٹ پروا' آگے ایک لفظ بھی مت کہنا تنگ آگیا ہوں میں تمہاری زبان سے اپنے لیے قاتل کا لفظ سن سن کر اور میں نے تمہاری قیمت نہیں لگائی ہے چچل نواز نے خود مجھے مجبور کیا تھا کہ میں اس کی بیٹی سے شادی کرلوں ان کا کہنا تھا کہ انہیں تمہاری جان کا خوف ہے نیز انہیں کسی رشتہ دار پر اعتبار نہیں ہے۔ حیات میرے پاس آتا رہتا تھا کہ وڈیرا سائیں کا کہنا ہے میں حویلی کا چکر لگاؤں۔ وہ چاہتے تھے کہ میں جلد از جلد تم سے شادی کرلوں ان کا خیال تھا کہ اس طرح تم محفوظ ہو جاتیں۔ میں حیات کے بار بار کہنے پر بھی حویلی نہیں گیا میرا دل تو لاہور میں ہی ایک بے وقوف خودسری لڑکی میں اٹک گیا تھا مجھے خبر نہیں تھی کہ وڈیری اور تم ایک ہی ہو میں پھر تم سے کہہ رہا ہوں کہ چچل نواز کے قتل میں میرا ہاتھ نہیں ہے۔"

پروا بے اعتبار نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی۔

"میں حویلی جاؤں گی۔" اس کا لہجہ ضدی ہو گیا۔

"شوق سے جاؤ۔" داور کا خوشگوار موڈ ایک دم

URDU PHOTO

آف ہو گیا وہ وہی ضدی اور مغرور پروا بن گئی تھی۔

۔۔۔۔*

"سائیں آپ کیوں یہاں آئی ہیں۔" حیات کو اس کی آمد کی اطلاع ہو گئی تھی۔ وہ فوراً چلا آیا تھا۔

"یہاں میرے بابا سائیں کی خوشبو ہے اور یہ تم مجھے سائیں نہ کہا کرو۔ اقرا آپی کے حوالے سے ہمارا ایک مضبوط رشتہ ہے۔" پروا نے بات ٹال دی۔ اقرا لاہور گئی ہوئی تھی۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ حیات بہت پریشان ہو گیا ہے۔

"آپ کو نہیں پتا کہ یہاں کتنا خطرہ ہے وڈیرا سائیں کے آدمی بک گئے ہیں وہ کسی بھی وقت آپ کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔"

"حیات کیا واقعی میرے بابا سائیں بہت برے تھے۔" اس نے امید بھری نگاہوں سے اسے دیکھا جیسے وہ انکار کر دے گا۔

"میں چھوٹا سا تھا جب وڈیرا سائیں مجھے ساتھ لے کر آئے میں ان کے تمام رازوں کا شریک ہوں پر شریک جرم نہیں ہوں یہ ان کی مہربانی تھی کہ انہوں نے مجھے حویلی تک محدود رکھا آپ کے خاندان میں نسل در نسل دشمنیوں کا سلسلہ تھا۔ وڈیرا سائیں کے دو جوان بھائی مارے گئے تو انہوں نے بھی بندوق اٹھالی یہیں سے وہ جرائم کی دنیا سے تعلق رکھنے والوں کی نگاہ میں آئے پھر وہ اس مافیا کے چنگل میں ایسے پھنسے کہ مرتے دم تک نہ نکل سکے۔ داور سائیں میں نہ جانے کیا بات تھی کہ وہ خود کو قانون کے حوالے کرنے پر تیار ہو گئے پہلے انہوں نے شرط لگائی کہ داور سائیں کو آپ سے شادی کر کے یہاں سے لے جانا ہو گا ہمیں پتا ہی نہیں تھا کہ لاہور میں وہ آپ سے مل چکے ہیں ورنہ اگر کچھ اور دیر ہو جاتی تو وڈیرا سائیں نے داور سائیں کی موت کے آرڈر جاری کر دیے تھے شکر ہے کہ اصل بات سامنے آگئی داور سائیں جس لڑکی کی وجہ سے شادی سے انکار کر رہے تھے وہ آپ ہی تھیں۔ سچ پوچھیں تو مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی مجھے بھی داور سائیں آپ کے لیے مناسب لگے تھے۔ پر آپ جیسی نازک سی لڑکی ان کی بات نہ مانے کر رہے ہے

پریشان ہو گیا۔

"حیات ابھی خود کو یقین دلانے میں وقت لگے گا جیسے ہی دھند چھٹی میں چلی جاؤں گی۔" وہ اسے حیران چھوڑ کر باہر آگئی۔

۔۔۔۔*

"داور یہ میں کیا سن رہی ہوں تم نے پروا کو اکیلے حویلی بھیج دیا مجھے آج حیات نے فون کر کے بتایا ہے۔" ماہ گل فون پہ اس سے شدید ناراض ہو رہی تھیں۔

"مما وہ خود گئی ہے میں نے اس سے نہیں کہا کہ وہ جائے۔" وہ بولا۔

"داور تمہیں پتا ہے حیات نے مجھے کیا بتایا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ پروا کی جان کو شدید خطرہ ہے۔ چنگل نواز نے پولیس کسٹڈی میں بہت سارے چہروں کو بے نقاب کیا تھا اسی وجہ سے اسے ہلاک کروا دیا گیا اسے ہلاک کرنے والوں نے چنگل نواز کے ساتھیوں کو خرید لیا ہے اب وہ غدار چنگل نواز سے تعلق رکھنے والے ہر شخص کو صفحہ ہستی سے مٹانا چاہتے ہیں اور پروا چنگل نواز کی اولاد ہے اس نے یہ بھی بتایا ہے کہ دو چار روز سے حویلی کے ارد گرد مشکوک افراد نظر آرہے ہیں اسی وجہ سے اس نے اقرا کو میکے بھجوا دیا ہے وہ ادھر ہی ٹھہرے لینے کی کوشش کر رہا ہے۔ جلد از جلد وہ گاؤں والا ڈیرا چھوڑ دے گا وہ صرف پروا کی حفاظت کے خیال سے رکا ہوا ہے اور تم نے اسے بھیج دیا مجھے تم سے اس حماقت کی توقع نہیں تھی فوراً" اسے لے کر آؤ۔"

ماہ گل نے اس کی اچھی خاصی کلاس لے ڈالی اور اس پہ پریشانیوں کے نئے در وا کر گئیں۔ یہ سن کر کہ وہ دشمنوں کے نرغے میں ہے اس کے دل کو کچھ ہوا۔ بھلا وہ اسے تکلیف میں دیکھ کر کیسے برداشت کر سکتا تھا یقیناً "نہیں وہ تو خود ہی باغی حسینہ بنی پھر رہی تھی اس کے نازک احساسات کو روند کر خوش تھی" داور مشکل میں تھا وہ کیا کرے۔؟ وہ اگر جاتا بھی تو نہ جانے وہ اس کے ساتھ آتی بھی کہ نہیں۔ بہر حال اس کا ارادہ تھا کہ کل سکھر جائے گا۔

۔۔۔۔*

"آپ یہاں سے چلی جائیں۔" حیات مضطرب انداز میں ٹہل رہا تھا' رک کر اس سے التجا کی۔

"یہ تم میرے جانے پر کیوں اتنا زور دے رہے ہو۔" پروا کو غصہ آگیا۔

"میں داور سائیں کو فون کرتا ہوں آپ کو آ کر لے جائیں۔"

"کوئی نہیں تم ہرگز کسی کو فون نہیں کرو گے یہ میرا حکم ہے۔"

"آخر آپ سمجھ کیوں نہیں رہی ہیں۔" حیات اس کی ہٹ دھرمی پر سر تھام کر بیٹھ گیا آنے والے وقت کا تصور اسے خوفزدہ کر رہا تھا یہ بھی نہیں پتا تھا کہ حویلی میں کون دوست ہے اور کون دشمن۔ وہ پروا کے سلسلے میں کسی پر بھی اعتبار نہیں کر سکتا تھا وہ ایک طرح سے اس کی ذمہ داری تھی۔ اقرا کو لاہور بھیجنے کے بعد وہ خود بھی تیاریوں میں تھا کیونکہ ملازموں کے تیور بھی بدلے بدلے لگ رہے تھے۔

*_*_*

"یہ وڈیرا اچپل نواز کی بیٹی ہے بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ اسے باپ کے کرتوتوں کی خبر نہ ہو۔ ویسے اچپل نواز نے غداری کر کے اچھا نہیں کیا ہے غداری کا مطلب موت ہے۔ جس کو وہ گلے لگا چکا ہے اب اس کی بیٹی کی باری ہے۔ اسی صورت میں اس کے انتقام کی آگ بجھے گی۔! ذرا کان قریب لاؤ خورشید کا کہنا ہے کہ وڈیرے نے اپنی ساری دولت حویلی کے اندر ہی دفن کر رکھی ہے اس نے جگہ کی نشان دہی بھی کی ہے اب کہو تمہارا کیا خیال ہے۔؟"

وڈیرا اچپل نواز کے غدار ساتھی حویلی میں جمع تھے اس وقت وہ رہائشی حصے سے الگ گودام میں اپنا آئندہ لائحہ عمل تیار کر رہے تھے۔ آٹھ افراد حویلی کے اردگرد متعین تھے جنہوں نے کسی بھی خطرے کی صورت میں اندر والوں کو ریڈ سگنل دینا تھا۔

"خیال تو بڑا نیک ہے۔ اندر آؤ ذرا وڈیری کی خیریت معلوم کرتے ہیں۔" علی [illegible] آنکھ دبا کر ہنسا۔ اس وقت وہ سب کالے سیاہ لباسوں میں ملبوس تھے اور رات کا ایک [illegible] حویلی دیکھ کر انہوں نے اپنے بقیہ ساتھیوں کو بلا لیا تھا اسی دوران پروا خود چلی آئی تھی ان کا کام اور بھی آسان ہو گیا تھا۔

سانول نے جیب سے ایک مڑا ہوا تار نکالا اور پروا کے دروازے کے لاک میں گھمایا چند منٹ کی کوشش کے بعد لاک کلک کی آواز کے ساتھ کھلا اور وہ ایک ایک کر کے اندر داخل ہوئے۔

*_*_*

داور کو حویلی کی سڑک پر گاڑی ڈالتے ہی خطرے کا احساس ہوا پولیس والوں کی حس ویسے بھی بڑی تیز ہوتی ہے وہ گاڑی روک کر سائیڈ پر کھڑی کرتے ہوئے ڈیش بورڈ سے اپنا سروس ریوالور نکالتے ہوئے محتاط انداز میں نیچے اترا۔

"ہینڈز اپ ریوالور پھینک دو۔" دائیں طرف جھاڑیوں سے وہ جو کوئی بھی تھا اچانک ہی نکل کر سامنے آیا تھا۔ داور نے بے اختیار گہرا سانس لیتے ہوئے ریوالور پھینک کر ہاتھ اوپر کر لیے وہ سیاہ ہیولہ اس کی جامہ تلاشی لینے لگا پاکٹ سے اس نے داور کا آئی ڈی کارڈ اور سروس کارڈ نکالا اتنے میں ایک اور آدمی جھاڑیوں سے نکلا اور پہلے والے کے پاس ٹھہر گیا وہ پینسل ٹارچ جلا کر داور کی جیبوں سے نکلنے والی چیزوں کا جائزہ لینے لگا دوسرے نے اس کا ریوالور قبضے میں کر لیا۔

"اوہ ایم سوسوری سر آئی ایم ایکسٹریملی سوری سر ہمیں معلوم ہی نہ تھا اس گستاخی کے لیے معذرت خواہ ہیں۔" اچانک ان دونوں افراد کا لہجہ بدل گیا دونوں نے اسے سلوٹ کیا۔

"سر میں اے ایس آئی عثمان احمد ہوں اور یہ انسپکٹر عمر شاہ ہیں۔" اس نے مودبانہ انداز میں تعارف کرایا اور ساتھ ہی داور کا ریوالور واپس کیا۔

"بھئی یہ سب کیا ہے تم لوگ یہاں اس وقت۔" اس کا سوال فطری تھا۔

"سر ہمیں آئی جی سکھر نے الرٹ رہنے کے لیے کہا ہے۔ وڈیرا اچپل نواز کو پولیس کی تحویل میں قتل کیا گیا آپ جانتے ہیں اس قتل سے ہماری کتنی بدنامی ہوئی وڈیرے کے جو ساتھی بچے تھے یہ ان کا ہی کام تھا

وڈیرے نے مرنے سے پہلے ان کی نشاندہی کردی تھی کہ مجھے ان پر شک ہے بعد ازاں وہ لوگ روپوش ہوگئے ہم اس وقت سے ہی ان کے پیچھے ہیں ہمارے دو ساتھی سادہ لباس میں حویلی کے پاس ملنگوں کے حلیے میں نگرانی پر تعینات تھے۔ چار پانچ روز پہلے ہمیں اطلاع ملی کہ حویلی کے آس پاس مشکوک افراد کی پراسرار سرگرمیاں دیکھنے میں آرہی ہیں تب سے ہماری ٹیم ادھر ہے اب بھی ہمارے ساتھی حویلی کے باہر ہیں تھوڑی دیر پہلے وائرلیس سیٹ پر حوالدار مکرم نے اطلاع دی ہے سات آٹھ افراد حویلی کے باہر کالے لباس میں بھاری اسلحے سمیت موجود ہیں لگتا ہے کہ یہ لوگ کسی خاص ارادے کے تحت موجود ہیں۔" عمر شاہ نے اسے تفصیل بتائی۔

"اوہ بے وقوف لڑکی تم نے کیا کردیا ہے۔" داور نے اندر اٹھتی اذیت کی شدید لہر پر بمشکل قابو پایا۔

"اوکے تم لوگ ادھر ہی رکو جونہی کوئی غیر معمولی بات محسوس ہو مجھے بتاؤ میں حویلی کی طرف جارہا ہوں۔" داور نے گاڑی چھوڑ کر پیدل مارچ کرنے کا ارادہ کیا عین ممکن تھا کہ گاڑی کی آواز سن کر وہ محتاط ہوجاتے۔

——*

سانول نے دھیرے سے دروازہ کھولا اور اندازے سے سوئچ بورڈ ٹٹول کر لائٹ جلائی کمرہ ایک دم تیز روشنی میں نہا گیا پروا بیڈ پر سینے تک کمبل اوڑھے محو خواب تھی۔ وہ چاروں ایک دوسرے کو معنی خیز انداز میں دیکھنے لگے جس میں ایک شیطانی جذبہ جھانک رہا تھا۔ علی ڈنو نے ہاتھ میں تھامے چاقو کو بڑے پیار سے دیکھا اور دھیرے سے اسے بیڈ کے کنارے پر پھیرا ایک ہلکی سی ٹن کی آواز ابھری اور معدوم ہوگئی، وہ لیٹے لیٹے کسمسائی اور کروٹ بدلی اس کے خوابیدہ ذہن کو عجیب سا احساس ہوا اور اس کی آنکھ کھلی تیز روشنی سے اس کی آنکھیں چندھیا گئیں سامنے وہ چاروں کھڑے تھے حویلی کے ملازم، ان میں سے وہ علی ڈنو سے اچھی طرح واقف تھی باقی تینوں کے بارے میں اس کی معلومات ادھوری تھیں۔ سائیڈ پر پڑا دوپٹہ سینے پر پھیلاتے ہوئے وہ اٹھی۔

"یہ تم لوگ اس وقت بغیر اجازت میرے کمرے میں کیوں آئے ہو۔" وڈیرا چگل نواز کی حاکمانہ مزاج والی بیٹی رعب سے بولی۔

اسے شاید آنے والے خطرے کا پوری طرح احساس نہیں ہوا تھا یا پھر اس کا ذہن ابھی تک سویا ہوا تھا ورنہ ان کے چہروں پر چھائی خباثت دیکھ کر اسے اب تک سمجھ جانا چاہیے تھا اسے یہ یاد نہیں تھا کہ سونے سے پہلے وہ دروازہ اندر سے لاک کرکے سوئی تھی اس کا خیال تھا کہ سونے سے پہلے وہ دروازہ لاک کرنا بھول گئی تھی۔ جب ہی وہ اندر آگئے تھے سردیوں کی رات تھی وہ جلدی کمرے میں آگئی تھی اس وقت ساڑھے دس بجے تھے گاؤں میں تو لوگ ویسے بھی جلدی سوجاتے ہیں حیات کی اس رٹ سے کہ آپ کو یہاں نہیں آنا چاہیے تھا مجبور ہوکر وہ اپنے تئیں اس سے بچ کر کمرے میں آگئی تھی جہاں اس وقت چار افراد اس کی جان لینے کے درپے تھے۔

علی ڈنو بڑا سفاک شخص تھا اعلیٰ تعلیم یافتہ اور خطرناک کارندہ۔ چگل نواز کے گروہ میں اسے اہم حیثیت حاصل تھی اور بہت جلد اہم مقام حاصل کیا تھا اس نے چگل نواز کی مضبوط پشت پناہی کی وجہ سے وہ پہلے سے زیادہ محفوظ ہوگیا تھا اور سفاک بھی۔ کچھ کچھ وہ حیات سے خار بھی کھاتا تھا کیونکہ چگل نے حویلی کے تمام اختیارات اسے سونپے ہوئے تھے جس میں پروا کی ذمہ داری بھی شامل تھی۔ وڈیرے نے جن شرائط کے تحت ہتھیار ڈالے تھے وہ بھی ان شرائط کا رازدار تھا۔ "سانول وڈیری کو بتاؤ ہم کیوں آئے ہیں۔" اس نے عجیب سی مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔

"وڈیرا سائیں نے میرے ذریعے، بہت سے گھروں کے چراغ گل کیے ہیں اور آج میں ہی وڈیرا سائیں کے گھر کے چراغ کو۔۔۔۔۔۔" اس نے سفاک لہجے میں بولتے ہوئے فقرہ ادھورا چھوڑ دیا پہلی بار پروا کی آنکھوں سے خوف جھانکا تب ہی دروازے پر آہٹ ہوئی سانول چونکا وہ حیات تھا اندر کا منظر دیکھ کر وہ ٹھٹھر گیا۔ خورشید نے اسے بھی اندر گھسیٹ لیا۔

URDU PHOTO

"علی ڈنو کام مکمل کرو اور نکلو وقت کم ہے۔" اس نے چٹکی بجائی۔ علی ڈنو نے چاپڑ آنکھوں کے قریب کیا اور پروا کی طرف دیکھا خوف کے مارے پروا کا سانس رک گیا حیات خورشید اور عظیم کی مضبوط گرفت میں پھڑ پھڑا کر رہ گیا اس کی جیب سے ریوالور نکال کر وہ اسے نہتا کر چکے تھے جونہی علی ڈنو پروا کی طرف بڑھا حیات نے پروا کیے بغیر آزاد ہونے کے لیے زور لگایا اور لات عظیم کے پیٹ میں ماری اسی لمحے باہر سے تڑتڑ گولیاں چلنے کی آوازیں آنے لگیں۔

"ڈنو ہری اپ۔" سانول چیخا۔ علی ڈنو نے چاپڑ بلند کیا پروا نے جان بچانے کی آخری کوشش کی اور بیڈ سے پلک جھپکتے چھلانگ لگائی اگر اسے ذرا سی بھی دیر ہو جاتی تو اس وقت اس کا وجود دو حصوں میں تقسیم ہو چکا ہوتا ڈنو کا چاپڑ بیڈ کو چیرتا ہوا نیچے چلا گیا کڑاک کی آواز آئی اور لکڑی ٹوٹ گئی اس نے دوبارہ چاپڑ اٹھایا اور سائیڈ ٹیبل کے قریب کھڑی پروا کی طرف بڑھا اس سے پہلے کہ وہ وار کرتا روشندان کا شیشہ چھنا اور گولی سیدھی اس کے دائیں ہاتھ میں لگی چاپڑ اس کے پیر پر سیدھا گرا اور ڈنو ذبح ہوتے بکرے کی طرح ڈکراتا ہوا نیچے گر گیا اس کا پیر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔

"سب لوگ ریوالور پھینک کر ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔ حیات تم ہتھیار قبضے میں کر لو۔" داور کی آواز گونجی اور وہ خود بھی روشندان سے چھلانگ مار کر اتر آیا۔

صبح ہو چکی تھی تھانہ صحافیوں اور فوٹو گرافرز سے بھرا ہوا تھا۔ مقامی آفیسر نے داور کا اس تعاون پر شکریہ ادا کیا۔ صحافی حضرات نے اسے گھیرے میں لیا ہوا تھا اور فوٹو گرافر تصویریں بنا رہے تھے۔ اعلیٰ افسران تھانے میں جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ شام کے اخبارات میں یہ خبر پوری جزئیات کے ساتھ چھپی کہ وڈیرا چچل نواز کے باغی ساتھیوں کا سرغنہ علی ڈنو پورے گروہ کے ساتھ گرفتار ہو گیا ہے داور کی کوششوں کا بھی تفصیلاً ذکر تھا اور اس کی تصویریں بھی چھپی تھیں جب عظیم کو پتا چلا کہ چچل نواز کی شہ کے ساتھ ان کا تعلق ہے صحافیوں نے اس حوالے سے اچھی خاصی کہانیاں بھی گھڑ لی تھیں۔

داور کا موبائل بار بار بج رہا تھا سب سے پہلی کال مما اور پپا کی تھی۔

"آئی ایم پراؤڈ آف یو مائی سن۔" رحمان کے لہجے میں بیٹے کے لیے فخر و ناز سا تھا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا میں نے اخبار پڑھنے کے فوراً بعد تمہارا صدقہ اتارا ہے۔" یہ مما تھیں۔

"بھائی کب آرہے ہیں۔" یہ شاہ گل تھی۔ دو بار حیات کا بھی فون آچکا تھا کہ

"پروا سخت خوفزدہ ہے۔"

"ہاں اسے خوفزدہ ہونے اور خوفزدہ کرنے کے علاوہ آتا ہی کیا ہے لگتا ہے خوب عبور حاصل ہے اسے دوسروں کے اعصاب شل کر دینے میں، چین تباہ کرنے میں نیندیں اڑانے میں۔" وہ تلخی سے بولا۔

حویلی واپس آتے ہی وہ پروا کی خیریت معلوم کرنے کے بجائے سو گیا اس بھاگ دوڑ سے وہ بری طرح تھک گیا تھا کل شام سے لے کر اب تک ایک لمحے کے لیے بھی اس کی آنکھ نہیں لگی تھی اب تھکا ہارا جسم آرام مانگ رہا تھا۔ بھاگ بھری نے ہی پروا کو بتایا کہ داور تو سو رہا ہے اس کا خیال تھا کہ پہلے وہ اس کے پاس آئے گا خیریت دریافت کرے گا غصہ دکھائے گا، خفا ہو گا، ڈانٹ ڈپٹ کرے گا اس نے کیا بھی تو کیا مزے سے سو گیا اب اسے ہی پہل کرنی تھی۔ انتقام کا مضحکہ خیز سا تصور کل ہی اس کے اندر دم توڑ گیا تھا جب وہ چاروں چچل نواز کی سفاکی کے بارے میں بتا رہے تھے۔

خیر دیر تو نہیں ہوئی تھی وقت اس کے قابو میں ہی تھا۔ گنگناتے ہوئے اس نے اپنی وارڈروب کا جائزہ لیا اور بے بی پنک پرنٹڈ سوٹ باہر نکالا بڑے دھیان سے بالوں میں برش پھیرا، آنکھوں میں کاجل لگایا۔ محض اتنی سی تیاری سے اس کا سہانا روپ جگمگا اٹھا۔ کلائی میں بڑی چاہت سے اس نے فیروزی اور سفید کانچ کی چوڑیاں پہنیں اور بڑے ناز سے خود کو آئینے میں دیکھا۔

داور کے کمرے کا دروازہ اندر سے لاک نہیں تھا

کھلا ہوا تھا۔ وہ دھڑلے سے اندر داخل ہوئی وہ بیڈ پر نہیں تھا واش روم سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی کچھ منٹ بعد گیلے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے وہ باہر نکلا دانستہ پروا کو نظرانداز کیا اور شرٹ کے بٹن بند کرنے لگا بیڈ کے نیچے سے شوز گھسیٹ کر باہر نکالے اور صوفے پر بیٹھ کر پہننے لگا۔

"پروا چنچل نواز اس مہمان نوازی کا شکریہ۔" وہ لمحہ بھر کے لیے اس کے نزدیک ٹھہرا اور واپس پلٹتے ہوئے تکیے کے نیچے سے اپنا ریوالور نکال کر کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھا۔

"آپ وا' واپس جارہے ہیں۔" اس کی سرسراتی آواز نکلی۔

"ہاں۔" وہ دروازے کے پاس رک سا گیا۔

"میں بھی چلوں گی۔" وہ جلدی سے بولی۔ داور رکے بغیر آگے بڑھ گیا۔ پروا شوز پہنے بغیر ہی آگئی تھی جلدی سے بھاگی اور ہاتھوں میں شوز اٹھائے اس کے پیچھے لپکی جو گاڑی اسٹارٹ کر رہا تھا۔

"تم تو غالباً ہمیشہ کے لیے آئی تھیں۔" اس نے طنزیہ کہا وہ شوز کے اسٹریپ بند کرنے میں مگن تھی اس کی بات پر دھیان نہیں دیا۔

......*

وہ اپنے کمرے میں جا چکا تھا وہ سخت بے حوصلہ ہو رہی تھی کیونکہ اس کا رویہ بڑا حوصلہ شکن رہا تھا۔ پروا کو اس کے بننے پر تاؤ آگیا حالانکہ دیکھ بھی رہا تھا کہ وہ شرمندہ ہے۔

"داور اٹھو پلیز۔" اس نے سختی سے اسے ہلایا۔

"میں شرمندہ ہوں مجھ سے بے وقوفیاں ہوئی ہیں پر داور بابا سائیں میرے باپ تھے وہ جیسے بھی تھے بیٹی کی حیثیت سے میرے لیے قابل محبت تھے میں شاید ان سے نفرت کر ہی نہیں سکتی تم اسے میری مجبوری کہہ لو ...اور داور... داور میں تم سے بھی نفرت نہیں کر سکتی یہ میری کمزوری ہے۔" کمزور بھرائے ہوئے لہجے میں اظہار کرتی پروا اسے بہت اچھی لگی۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہاری انتقام کی سب قسطیں پوری ہو گئی ہیں۔" وہ مزید بولا۔ وہ اس کے بدلتے تیوروں سے خائف ہوئی۔

"آپ سو جائیں آپ کو نیند آرہی تھی ناں۔" وہ گھومی۔

"کہاں کی نیند کیسی نیند تم تو ہمیشہ سے ہی میری نیندوں کی دشمن رہی ہو یاد ہے پری کے گھر تم وہ اچانک میرے سر پر کھڑی ہو جاتی تھیں۔ فاروق کیا کر رہے ہو' سو کیوں نہیں رہے' یہ کیوں نہیں کر رہے ہو' وہ کیوں نہیں کر رہے ہو اور یاد ہے تمہیں جب میں کیمرے سے تصویریں بنا رہا تھا تم اچانک وارد ہوئی تھیں۔" اس نے پروا کو یاد دلایا تو وہ دامن بچا گئی۔

"اچھا وہ تو یاد ہو گا جب اسی اسٹائل میں تم نے مجھے سوتے سے جگایا تھا۔ پری میں اس دن سے تمہارے بارے میں سوچنے لگا تھا اور میرا جی چاہ رہا تھا یہ نازک سے ہاتھ مجھے پیار سے جگائیں تم نے تو آج بھی مجھے فاروق کی طرح ٹریٹ کیا ہے حالانکہ میرا خیال تھا کہ تم فلمی ہیروئن کی طرح زبردست سا گانا گاؤ گی۔ خیر یہ نہ تھی ہماری قسمت۔" اس نے مصنوعی سرد سانس لی تو پروا کو اپنی مسکراہٹ چھپانی دشوار ہو گئی وہ اس تبسم کو دیکھ کر پھیل گیا۔

"پری۔" اس نے انتہائی گمبھیر لہجے میں اسے پکارا۔

"جی۔" اس نے نگاہیں جھکائے جھکائے جواب دیا۔

"ادھر میری طرف دیکھ کر بات کرو ناں۔" وہ اس کے قریب آکر کھڑا ہو گیا۔ وہ خاموش رہی۔

"تو ٹھیک ہے مجھے اب الزام مت دینا۔" اس نے دھمکی دی۔

"کوئی نہیں ایسے ہی۔" پروا نے بہادری دکھانی چاہی تو داور نے اس کی کلائی پکڑ لی۔

"جی جناب ایسے نہیں تو ویسے ہی سہی۔" اس نے شوخ سی جسارت کر ڈالی تو پروا گلابی ہو گئی وہ جان گئی تھی کہ اب مزید راہ فرار نہیں ہے اور وہ فرار چاہتی بھی کب تھی۔

♡ ♥